

1971

اکھتور

مشرقی پاکستان سے بنگلہ دیش تک

مصنف:

وہارا امباکر

فہرست مضامین

دیباچہ	2
اعلانِ آزادی	4
ابتدائی برس	7
ترقی کی دہائی	11
انگریز قبضہ اور پنجابی اسٹیبلشمنٹ	15
ملٹری	19
طوفان	22
جنگ	26
آزادی سے ترقی تک	30

دیباچہ

بنگلہ دیش کی تاریخ میں ”اکہتور“ ایک اہم لفظ ہے۔ یہ اس کی پیدائش کے برس 71 کا بنگالی میں ترجمہ ہے۔

”ہم انگریز کی غلامی سے 47 میں آزاد ہوئے جبکہ اکہتور میں پاکستان کی غلامی سے۔ ہماری بہادر فوج نے پاکستان کو شکست سے دوچار کیا۔ پاکستان کو شکست سامنے نظر آرہی تھی تو اس نے یہاں سے فرار کے لئے انڈیا پر حملہ کر دیا تاکہ وہ بنگلہ دیش میں آسکے اور ان کے آگے ہتھیار ڈالنے کا ڈرامہ رچایا جاسکے۔ انڈیا اور پاکستان کی ملی بھگت تھی جس کی وجہ سے ہمارے مجرم انڈیا بھگا کر لے گیا۔ ہماری قوم کی ہتیا ہوئی۔ ہمیں بھیڑ بکریوں کی طرح مارا گیا اور کسی کو ایک لفظ نہیں کہا گیا۔“

یہ وہ تاریخ تھی جو میں نے بنگلہ دیش میں سنی۔ حقیقت سے ویسے ہی کٹی ہوئی، جیسے پاکستان میں بتائی جاتی رہی ہے۔

بنگلہ دیش میرا دوسرا ٹرپ 2001 میں تھا۔ اس وقت تبلیغی جماعت کے اجتماع میں شرکت کے لئے انڈیا سے بڑا گروپ آیا تھا۔ ڈھاکہ ایئر پورٹ پر امیگریشن کی قطار میں پاکستانی پاسپورٹ دیکھ کر آفیسر مجھے ہاتھ پکڑ کر سب سے آگے لے گیا۔ داخلے کی سٹیپ لگوا کر پاسپورٹ واپس کیا اور کہا، ”بنگلہ دیش اینڈ پاکستان، ایک ہی چیز، نو ڈیفرنس، برادارز“۔ سبز پاسپورٹ کی وجہ سے غیر معمولی استقبال؟؟

پاکستان اور بنگلہ دیش کے ایک دوسرے سے رابطے بہت کم ہیں۔ لوگوں کی آمد و رفت نہ ہونے کے برابر ہے۔ آپس کی تجارت بہت کم ہے۔ لوگ ایک دوسرے سے کم واقف ہیں۔ بنگلہ دیش اور پاکستان کے درمیان حالات گرم جوشی والے کبھی نہیں رہے۔ حالیہ برسوں میں یہ زیادہ سرد مہری کا شکار ہوئے ہیں۔ لیکن اس بزنس ٹرپ میں کئی نرم گرم واقعات رہے۔

پاکستان اور بنگلہ دیش کی کرکٹ ٹیموں کے درمیان 1999 کے ورلڈ کپ میں مقابلہ ہوا۔ بنگلہ دیش میں کرکٹ کا جنون ہے لیکن ان کی ٹیم کمزور تھی اور اس وقت تک انہیں ٹیسٹ کرکٹ کھیلنے کا سٹیٹس بھی نہیں ملا تھا۔ پاکستان کی مضبوط ٹیم، جو اس ورلڈ کپ میں بڑی فارم میں تھی، بنگلہ دیش سے شکست کھا گئی۔ میچ کے بعد پاکستانی کپتان وسیم اکرم کو جب اس میچ پر تبصرہ کرنے کو کہا گیا تو ان کا کہنا تھا، ”بنگلہ دیش کی ٹیم سے ہارنے کا ذرا سا بھی افسوس نہیں۔ بنگلہ دیشی ہمارے بھائی ہیں۔“ یہ میچ بنگلہ دیش کرکٹ کی تاریخ میں اہم کامیابی تھی۔ اس کے بعد ٹیسٹ سٹیٹس مل گیا۔ وسیم اکرم کا یہ فقرہ پاکستان میں تو شاید ہی کسی کو یاد ہو۔ ڈھاکہ میں مجھے کئی لوگوں نے یاد کروایا۔ اس میں الفاظ سے زیادہ انداز اہم تھا۔ بچے تلے، پہلے سے تیار کئے ہوئے کسی ڈپلومیٹ کے الفاظ نہیں تھے۔ ایک برجستگی تھی۔ دل سے کہی گئی چھوٹی باتیں اثر رکھتی ہیں۔

بنگلہ دیش کے شہروں میں عام طور پر رابطے کے لئے اردو اور انگریزی سے آسانی سے کام چل جاتا ہے لیکن ایک دکان سے خریداری کرتے وقت مشکل پیش آرہی تھی۔ دکاندار کو دونوں زبانیں نہیں آتی تھیں۔ ساتھ کھڑے شخص نے کہا، ”بنگلہ نہیں آتی؟“۔ میرے سر ہلانے پر ان صاحب نے خریداری میں مدد کروائی۔ یہ جاننے پر کہ میرا تعلق پاکستان سے ہے، اس سے باتیں شروع ہو گئیں۔ بنگلہ دیش کی آزادی سے پہلے وہ کئی برس کراچی رہے تھے۔ بنگلہ دیش کی جنگِ آزادی میں کتنی باہنی کا حصہ رہے تھے۔ اپنی کہانی سنانے کے بعد ان کا کہنا تھا، ”ویسے لڑائی تم لوگوں سے تو نہیں تھی۔ بلکہ شاید تمہاری فوج سے بھی نہیں تھی۔ بس، حالات ہی ایسے تھے۔“

اس برس ہوا کیا تھا؟ اس بارے میں پاکستانی اور بنگلہ دیشی قوم پرست بیانیے تاریخ سے زیادہ جذبات کی بنیاد پر ہیں۔ بنگلہ دیش کی آزادی کی نصف صدی کے بعد بھی بنگلہ دیش کی آزادی کو ابھی تک ”سقوطِ ڈھاکہ“ کہا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آزادی میں قصور واروں اور ذمہ داروں کا تعین کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔

اس کتابچے میں اس ایک سال سے زیادہ اس تمام پس منظر کا ذکر ہے کیونکہ کسی بھی واقعے کو سمجھنے کے لئے ہمیں اس کی تاریخ میں سمجھنا پڑتی ہے۔

اعلانِ آزادی

یہ ریڈیو بنگلہ دیش ہے۔ اب آپ خود مختار اور آزاد بنگلہ دیش کے شہری ہیں۔ تمام سننے والوں کو آزادی“ مبارک۔“

بنگلہ دیش میں ہر سال 26 مارچ کو عام تعطیل ہوتی ہے۔ یہ دن بنگلہ دیش کا یومِ آزادی ہے۔ یہ اعلان چٹاگانگ کے ریڈیو پر پہلی بار بنگلہ دیش آرمی کی طرف سے کیا گیا۔ اس سے پچھلے روز پاکستانی صدر آخری مرتبہ ڈھاکہ چھوڑ گئے تھے۔ 26 مارچ 1971 کو بنگلہ دیش کی آزادی کا فیصلہ لے لیا گیا۔ دوسرے ممالک سے آنے والے صحافی پہلے ہی نکالے جا چکے تھے۔ چٹاگانگ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ایک جاپانی بحری جہاز نے اس کو سنا اور یہ خبر اس روز آسٹریلیا سے نشر کی گئی۔

ضیا الرحمن پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول کے بارہویں لانگ کورس کے گریجویٹ تھے اور 18 ستمبر 1955 میں اپنی کلاس کے ٹاپ دس فیصد طلباء میں گریجویٹ ہو کر پاکستانی فوج کے افسر بنے تھے۔ کمانڈو ٹریننگ لی، پیراٹروپر بنے اور پاکستان ملٹری انسٹیٹیوٹ میں رہے۔ پاکستان اور انڈیا کی 1965 میں ہونے والی جنگ میں پنجاب کے کھیم کرن کے محاذ پر ہونے والے معرکوں میں حصہ لیا۔ اپنی شجاعت کی وجہ سے “ہلالِ جرات” پایا جو پاکستانی فوج میں نشانِ حیدر کے بعد بہادری کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔ اس کے بعد 1966 میں پاکستان ملٹری اکیڈمی کے انسٹرکٹر رہے۔ وہ خود کمانڈ اینڈ سٹاف کالج کوئٹہ سے تربیت حاصل کر رہے تھے، جب ان کی اہلیہ خالدہ ضیاء نے ان کے پہلے بیٹے طارق رحمان کو جنم دیا۔ مشرقی پاکستان میں ان کی تعیناتی غازی پور میں 1969 میں ہوئی۔

چٹاگانگ کے ریڈیو سٹیشن پر قبضہ کرنے والی بنگلہ دیش آرمی کے یونٹ کی قیادت ضیا الرحمن کر رہے تھے۔ انہوں نے اس روز بنگلہ دیش کی آزادی کا اعلان کیا۔ نئی حکومت کا اعلان کیا۔ اگلے نو ماہ تک جاری رہنے والی برصغیر کی خونریز ترین جنگ میں پاکستان آرمی کے خلاف جنگ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ مکتی باہنی کی طرف سے جنوب مشرقی بنگلہ دیش میں زی فورس کی قیادت کی۔ اس جنگ میں اپنی بہادری کی وجہ سے نام کمایا اور “بیراٹوم” کا اعزاز ملا جو بنگلہ دیش میں زندہ فوجی کے لئے بہادری کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔ بعد میں بنگلہ دیش کے صدر

بنے۔ ان کی اہلیہ ملک کی وزیراعظم رہیں۔ بنگلہ دیش میں اگرچہ سیاست کے حوالے سے ان کا کردار پسند کرنے والے بھی ہیں اور ناپسند کرنے والے بھی۔ بنگلہ دیش میں ان پر تنقید پاکستان کے بارے میں نرم گوشہ رکھنے پر بھی ہوتی رہی۔ لیکن ان کو جنگی ہیر و کے طور پر جانا جاتا ہے۔ اس حیثیت سے ان کا اعتراف عالمی سطح پر ہوا۔ مصر اور یوگوسلاویہ سمیت مختلف ممالک کی طرف سے انہیں فوجی اعزازات ملے۔

بنگلہ دیش کی آئین ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس 17 اپریل 1971 کو ہوا۔ اس میں رسمی طور پر آزادی کی توثیق کر دی گئی اور رسمی طور پر اعلان آزادی کی قرارداد منظور کر لی۔ ان کا پہلا کام نئے ملک کا آئین بنانا قرار پایا لیکن اس سے کہیں زیادہ سنگین مسائل موجود تھے۔ ملک میں اس خطے کی سب سے زیادہ خونریز خانہ جنگی جاری تھی۔ ملک کے بانی اور صدر گرتا تھے۔ اس اسمبلی کے مطابق ایک دوسرے ملک کی ملٹری کورٹ میں انہیں سزائے موت سنائی جا چکی تھی۔

اعلان آزادی میں کہا گیا تھا کہ ”بنگلہ دیش میں عوام انتخابات میں عوامی لیگ کے حق میں فیصلہ دے چکے، اپنی رائے واضح طور پر بتا چکے۔ اور جواب میں پاکستان نے ان پر ایک ظالمانہ اور غیر منصفانہ جنگ مسلط کر دی۔ ہم غیر متنازعہ لیڈر شیخ مجیب الرحمن کی قیادت میں متحد ہیں اور بنگلہ دیش کی عوام پر زور دیتے ہیں کہ اپنے ملک کے وقار اور سالمیت کا دفاع کریں۔ پاکستانی حکام کی وحشیانہ کارروائیاں جاری ہیں۔ ہمارے نہتے عوام پر بے مثال ظلم اور تشدد کیا جا رہا ہے۔ اس قتل عام کی وجہ سے ہمیں آئین بنانے میں تاخیر کا سامنا ہے لیکن بنگلہ دیش کے عوام کی دلیری اور جذبے نے ہماری زمین پر ہمارا قبضہ بحال کر دیا ہے۔ جب تک آئین نہیں بن جاتا، بنگلہ بندھو شیخ مجیب صدر اور سید نذرا الاسلام نائب صدر ہوں گے اور تمام اختیارات صدر کے پاس ہوں گے۔ صدر اور نائب صدر سے حلف پروفیسر یوسف علی لیں گے۔“

اس علاقے میں 1971 میں کیا ہوا؟ یہ جاننا کسی کے لئے بھی خوشگوار نہیں۔ یہ تاریخ کے بڑے سانحوں میں سے

ہے۔ اس میں ہر طرف سے مرنے والے اور مارنے والے اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے۔
ایسا کیوں ہوا؟ نہیں۔ اس کے آسان جوابات میں سے کوئی بھی اس کی وضاحت نہیں کرتا۔ اس کو سمجھنے کے لئے
تاریخ میں پیچھے جانا پڑے گا۔ جب 1857 میں بنگالی سپاہیوں نے انگریزوں سے بغاوت کی تھی۔

ساتھ لگی تصویر بنگلہ دیش کی اسمبلی کی طرف سے جاری کردہ اعلان آزادی کی ہے۔



ابتدائی برس

جب اگست 1947 کو پاکستان کی پیدائش ہوئی تو اسے بہت بڑے مسائل کا سامنا تھا۔ سوا کروڑ لوگوں نے نقل مکانی کی۔ مسلمان انڈیا سے پاکستان آئے جبکہ ہندو اور سکھ آبادی نے دوسری سمت جانے کا انتخاب کیا۔ اس ہجرت کے دوران ہونے والے کمیونل فسادات میں بیس لاکھ افراد مارے گئے۔ پاکستان کی سرحدیں جلدی میں بنائی گئی تھیں۔ نئی قوم کو چلانے کے لئے مرکزی حکومت کی بنیادی ضروریات۔۔۔ افرادی قوت، سامان اور سرکاری عمارتوں والا کوئی دارالحکومت اس کے حصے میں نہیں آیا۔ اس کا مشرقی حصہ اپنے مغربی حصے سے 1600 کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ درمیان میں انڈین علاقہ تھا۔ بہت سے ہندو بنگالی تقسیم کے بعد کلکتہ چلے گئے۔ ان میں سے بہت سے لوگ وہ تھے جن کی مینجمنٹ پر اس علاقے کا انحصار تھا۔ ان کی جگہ انڈیا میں بہار کی ریاست سے آنے والوں نے یا مغربی پاکستان میں پنجاب سے آنے والوں نے لی۔

تقسیم کے بعد مسلمانوں کی بینکنگ ممبئی سے کراچی منتقل ہوئی جو پاکستان کا پہلا دارالحکومت بنا۔ مشرقی پاکستان میں سرمایہ کاری مغربی پاکستان کے بینکوں سے آتی تھی۔ سب سے زیادہ یہ پٹ سن کے شعبے میں ہوئی اور اس وقت ہوئی جب اس کی عالمی مانگ میں کمی ہو رہی تھی۔ دنیا میں پٹ سن کی سب سے بڑی فیکٹری نارائن گنج میں تھی جو ڈھاکہ کے قریب صنعتی علاقہ ہے۔ یہ مغربی پاکستان کی آدم جی فیملی کی صنعت تھی۔ بیکاری اور فائنسنگ بھی عام طور پر مغربی پاکستانی کے بزنس میں چلا رہے تھے تو مقامی آبادی کے خلاف تعصب عام تھا۔ ایک ادارے میں مینجمنٹ کی پوزیشن پر پہنچنا بنگالی کے لئے زیادہ مشکل ہوتا تھا۔ مغربی پاکستانی عام طور پر اردو بولنے والے بہاریوں کیونکہ تاثر یہ تھا کہ یہ بنگالی آبادی کے مقابلے میں (کو ترجیح دیتے تھے) یہ شمالی انڈیا سے آنے والے مہاجرین تھے ہڑتال یا ہنگامہ آرائی نہیں کرتے۔ یہ تاثر اس وقت گہرا ہو گیا جب نارائن گنج جوٹ مل میں بہاری اور بنگالی مزدوروں کے درمیان 1954 میں پر تشدد تصادم ہوئے۔

پاکستان کے پاس تربیت یافتہ ایڈمنسٹریٹرز کی کمی تھی کیونکہ انڈین سول سروسز میں ہندو اور سکھ زیادہ ہوا کرتے تھے اور انہوں نے انڈیا جانے کا انتخاب کیا تھا۔ یہ مسئلہ مشرقی پاکستان میں زیادہ سنجیدہ تھا۔ اس کی وجہ سے یہاں پریویر کرپسی کی اعلیٰ پوزیشنیں زیادہ تر مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والوں یا پھر بہاریوں کے حصے میں آئیں۔

سب سے بڑا مسئلہ جس کا پاکستان کو اپنی پیدائش کے ساتھ ہی سامنا کرنا پڑ گیا، وہ زبان کا تھا۔ جناح نے بہار اور

اتریش سے آنے والے لوگوں کے مطالبے کو دیکھتے ہوئے پاکستان کی قومی زبان اردو کو قرار دے دیا۔ اس سے مغربی پاکستانی کی زبانیں بولنے والے۔۔۔ پنجابی، سندھی، پشتو، بلوچی۔۔۔ کچھ اپ سیٹ تو ہوئے لیکن مشرقی پاکستان میں یہ معاملہ تشدد کی سمت میں چلا گیا۔ بنگالی پاکستان میں اکثریت تھے۔ 54 فیصد آبادی ان کی تھی۔ ان کی زبان بنگلہ (اس وقت یہ بنگالی کہلائی جاتی تھی) اردو کے ساتھ ایک مشترک سنسکرت۔ فارسی جد تو شکیر کرتی ہے لیکن ان دونوں زبانوں کا رسم الخط اور ادبی روایات بہت مختلف رہی ہیں۔

آزادی کے بعد، اپنی وفات سے پہلے، جناح ایک ہی بار 1948 میں مشرقی پاکستان گئے۔ ڈھاکہ میں انہوں نے اعلان کیا کہ ”بغیر ایک ریاستی زبان کے، کوئی قوم اکٹھے نہیں رہ سکتی۔“ ان کے اس نظریے کو مشرقی پاکستان میں ناپسند کیا گیا۔ بطور بائی پاکستان، ان کا بہت احترام کیا جاتا تھا، جس کی وجہ سے اس وقت زیادہ آواز نہیں اٹھی البتہ ان کے انتقال کے بعد یہ صورتحال تبدیل ہو گئی۔

ڈھاکہ میں 22 فروری 1952 کو بنگلہ طلباء کے برابری کے مطالبے پر نکالے گئے جلوس میں پولیس کی فائرنگ سے دو طلباء ہلاک ہوئے۔ (ان کی یادگار میں شہید مینار بنایا گیا ہے)۔ اس سے دو برس بعد بنگالی مظاہروں کے نتیجے میں پاکستانی اسمبلی نے اردو کے ساتھ بنگالی زبان کو بھی قومی زبان قرار دے دیا۔

ملک کو اکٹھا رکھنے میں پاکستان کے ابتدائی لیڈروں کی کرشماتی شخصیات کا کردار تھا۔ جناح، جو گورنر جنرل تھے اور قائد اعظم کہے جاتے ہیں اور لیاقت علی خان جو وزیر اعظم تھے اور ان کو قائد ملت کہا جاتا ہے۔ جناح کے ستمبر میں انتقال کے بعد پاور لیاقت کے پاس چلی گئی۔ لیاقت کو سیاست کا وسیع تجربہ تھا اور انڈیا سے آنے کی 1948 وجہ سے فائدہ یہ تھا کہ پاکستان کے کسی صوبے کے ساتھ ان کا گہرا تعلق نہیں تھا جس کی وجہ سے ان کو کہیں سے مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ معتدل مزاج لیاقت کے آئیڈیل پارلیمانی، جمہوری اور سیکولر ریاست تھے۔ اور وہ پاکستان کے آئین میں سیکولر ازم اور اسلام کا توازن چاہتے تھے۔ ان کو ایک جنونی نے 16 اکتوبر 1951 میں قتل کر دیا۔ اس کے بعد پاکستان کو غیر مستحکم دور کا سامنا تھا جس کو ملٹری اور بیوروکریسی سیاست میں مداخلت سے حل کرتی رہی۔ پاکستانی کی آزادی کے یہ ابتدائی مشکل سال تھے جنہوں نے پاکستان میں سیاست اور ملٹری کے باہم جڑے کلچر کی تشکیل کی۔

پاکستانی سیاستدانوں کی طرف سے ملک کو مستحکم نظام نہ دینے کی اہلیت کی بڑی وجہ ان کی آپس میں ایک دوسرے پر بد اعتمادی تھی۔ وفاداریاں ذاتی، خاندانی، قومیت اور صوبائیت کی بنیاد پر زیادہ تھیں جبکہ قومی یا ایشوز پر سیاست

کی روایت نہیں پڑی۔ آئین ساز اسمبلی میں صوبائیت کھلے عام نظر آتی تھی۔ ”کہیں پنجاب تو ملک پر قابض نہیں ہو جائے گا؟“ یہ زیر بحث رہتا تھا۔ آئین ساز اسمبلی ایک غیر موثر اور ناکارہ ادارہ رہا جس نے آئین بنانے میں نو سال لگائے اور یہ آئین کبھی بھی عملی طور پر نافذ نہیں ہوا۔

لیاقت کے بعد آنے والے وزیراعظم ایک کنزرویٹو بنگالی خواجہ ناظم الدین تھے۔ پنجاب سے تعلق رکھنے والے سابق وزیر خزانہ اور بیوروکریٹ غلام محمد گورنر جنرل بنے۔ مشرقی پاکستان میں مرکزی حکومت کے اختیارات کو کم کرنے کا مطالبہ تھا۔ مرکزی حکومت کے پاس دفاع، خارجہ، کرنسی، مواصلات جیسے شعبے تو رہیں لیکن باقی اختیارات اس کے پاس نہ ہوں۔ غلام محمد وزیراعظم ناظم الدین سے خوش نہیں تھے کہ وہ مشرقی پاکستان میں چلنے والی تحریک کو کنٹرول نہیں کر پارہے تھے۔ غلام محمد نے اپنی پاور بیس کو بڑھانا شروع کیا۔ 1953 میں غلام محمد نے ناظم الدین کو برخاست کر دیا۔ پنجاب میں مارشل لاء لگا دیا اور مشرقی پاکستان میں گورنر راج نافذ کر دیا (جو مرکزی حکومت کا براہ راست کنٹرول تھا)۔ 1954 میں اپنی ”ماہرین کی کابینہ“ بنائی۔ ایک اور کنزرویٹو بنگالی، محمد علی بوگرہ کو وزیراعظم بنایا۔ یہ پہلے پاکستان کے امریکہ کے اور پھر اقوام متحدہ کے لئے سفیر رہ چکے تھے۔

میں ہونے والے واقعات کی وجہ سے گورنر جنرل اور وزیراعظم میں تصادم ہو گیا۔ بوگرہ 1954 ستمبر اور اکتوبر گورنر جنرل کے اختیارات کم کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لئے بڑی جلد بازی میں آئین میں ترمیم کی تھی۔ گورنر جنرل نے درپردہ فوج اور بیوروکریسی کی حمایت حاصل کر لی۔ آئین ساز اسمبلی برخاست کر دی گئی اور نئی کابینہ بن گئی۔ بوگرہ وزیراعظم رہے لیکن عملی طور پر بے اختیار۔ جنرل اسکندر مرزا، جو فوجی بھی رہے تھے اور رسول سرونٹ بھی، وزیر داخلہ بن گئے۔ جنرل ایوب خان، جو فوج کے سربراہ تھے، ان کو وزیر دفاع بنادیا گیا۔ نئی حکومت کا مقصد صوبائی سیاست کو ختم کرنا اور ملک کو نیا آئین دینا تھا۔ لیکن وفاقی عدالت نے اس کو غیر قانونی قرار دیا اور فیصلہ دیا کہ نئی آئین ساز اسمبلی بنائی جائے۔ غلام محمد کو اس پر عمل کرنا پڑا اور صوبائی اسمبلیوں نے نئی اسمبلی منتخب کی جس کا جولائی 1955 میں انتخاب ہوا۔ بوگرہ کو اسمبلی میں سپورٹ نہیں ملی، ان کی چھٹی ہو گئی۔ چودھری محمد علی، جو وزیر خزانہ تھے، وزیراعظم بن گئے۔ غلام محمد کو، جن کی صحت اچھی نہیں تھی، سکندر مرزا نے ستمبر 1955 میں ہٹا کر ان کی جگہ لے لی۔

دوسری آئین ساز اسمبلی پہلی سے مختلف تھی۔ مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ کو 1954 کے صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں بھاری شکست ہوئی تھی۔ حسین شہید سہروردی کی عوامی لیگ اور فضل الحق کی کرشاک سراک سماوی دل پر مشتمل دو پارٹیوں کے اتحاد نے بڑی کامیابی حاصل کی تھی۔ مغربی پاکستانی کے غلبے کا خاتمہ اور بنگالی

صوبائی خود مختاری ان کا منشور تھا اور اس کے لئے یہ اکیس نکاتی ایجنڈے پر متفق ہوئے تھے۔

مشرقی پاکستان میں ان کی انتخابی جیت کے بعد ان دونوں پارٹیوں کی آپس میں پھوٹ پڑ گئی۔ اتحاد ٹوٹ گیا۔ تک یہ دونوں پارٹیاں مشرقی پاکستان پر کنٹرول کے لئے مسلسل آپس میں نبرد آزما رہیں۔ 1954-1958 سے

چودھری محمد علی نے سیاستدانوں کو 1956 کے آئین پر متفق کروالیا۔ مشرق اور مغرب میں بہتر توازن کے لئے مغربی پاکستان کے صوبے ختم کر کے ایک یونٹ بنادیا گیا۔ 300 ارکان پر مبنی پارلیمنٹ جس میں مشرقی اور مغربی یونٹ سے برابر اراکین ہوں گے۔ اگلے وزیراعظم 1956 میں سہروردی بنے اور مخلوط کابینہ بنائی۔ انہیں بھی مرکزی حکومت نے اس لئے چنا تھا کہ وہ مشرقی اور مغربی حصے میں اتفاق پیدا کر سکیں گے لیکن مغربی پاکستان کے پاور بروکرز کی سپورٹ حاصل نہ کر سکے۔ مشرقی پاکستان میں انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا لیکن ان کی مشرقی پاکستان کے لئے زیادہ فنڈ لینے کی اور زیادہ خود مختاری کی کوششیں مغربی پاکستان میں پسند نہیں کی گئیں۔ ون یونٹ پر بھی انہوں نے ایک مضبوط پوزیشن لی تھی۔ انہوں نے ایمر جنسی پاور استعمال کرتے ہوئے مغربی پاکستان میں مسلم لیگ کی صوبائی حکومت کو بننے سے روکا۔ اس وجہ سے مغربی پاکستان میں اپنی سیاسی حمایت کھو دی۔ اور آخر میں ان کی یہ تجویز کہ وزیراعظم کا انتخاب اسمبلی کھلے عام کرے، نے اسٹیبلشمنٹ کے کان کھڑے کر دئے۔ تیرہ ماہ بعد صدر مرزا نے اپنا اثر اختیار کرتے ہوئے انہیں وزیراعظم ہاوس سے چلتا کیا۔ ملک میں سیاسی عدم استحکام بڑھتا رہا۔

مشرقی پاکستان میں سیاسی عدم استحکام نے بہت ہی سنجیدہ موڑ 1958 میں لے لیا جب اپوزیشن ممبران اور پولیس میں ہاتھ پائی کے دوران ڈپٹی سپیکر شاہد علی پٹواری زخمی ہو کر جاں بحق ہو گئے اور دو وزراء شدید زخمی ہوئے۔

پارلیمانی جمہوریت سے نالاں، مشرقی پاکستان کی اسمبلی کے واقعات سے پریشان اور بلوچ علیحدگی پسندوں کے دباؤ کا شکار، سکندر مرزا نے اس وقت ایک بڑا قدم لے لیا۔

ترقی کی دہائی

پاکستان میں جمہوری روایات پنپ سکنے میں ناکامی کی ایک وجہ اس کی نازک سیکورٹی صورتحال رہی اور ایک اس ثقافتی یا نسلی تنوع۔ لیکن سب سے بڑی وجہ اس کی ابتدائی برسوں کی سیاست تھی جو جمہوری ڈویلپمنٹ میں سب کا سے بڑی رکاوٹ بنی۔ اس عمل کے لئے سب سے ضروری چیزیں، سیاسی پارٹیوں کا ڈسپلن اور عوام کی شرکت، مفقود رہیں۔ پاکستان بننے کی جدوجہد آل انڈیا مسلم لیگ نے کی تھی لیکن یہ ایک میچور اور مستحکم جمہوری پارٹی بننے میں ناکام رہی۔ ایسی پارٹی جس کی ملک بھر میں حمایت ہو اور ملک کے متنوع نسلی اور ثقافتی گروپس کو اکٹھا رکھ سکے، ملک کے لئے انتہائی ضروری تھی۔ مسلم لیگ ابتدائی برسوں میں یہ کردار ادا کر سکتی تھی، لیکن یہ جلد ہی حریف دھڑوں میں بٹ گئی۔

پاکستان کو تیرہ ماہ بعد جناح کی وفات کا دھچکا اٹھانا پڑا تھا۔ جناح کا کردار پاکستان کی سیاست میں اس قدر غالب تھا کہ کوئی اور لیڈر سامنے نہیں آسکا۔ ان کے ایک قابل ساتھی لیاقت علی خان تھے، وہ بھی زیادہ عرصہ نہ رہے۔ ان دونوں کے جانے کے بعد پاکستان میں قیادت کا بحران رہا۔ غیر موثر اور ذاتی جھگڑوں میں الجھے سیاستدانوں کے جھرمٹ میں، چند ایک سیاستدان، جو یہ کردار ادا کرنے کی اہلیت رکھتے تھے، وہ علاقائی اور صوبائی کا زبڑھاتے رہے۔ قومی امور پس پشت ڈال دئے گئے۔ حکومت کمزور رہی۔ ملک میں جاری فسادات پر قابو نہ پایا جاسکا۔ نسلی جھگڑوں پر توجہ نے مضبوط پارلیمانی اداروں کی تشکیل پر سے توجہ ہٹا دی۔

پارلیمانی جمہوریت سے نالاں، مشرقی پاکستان کی اسمبلی کے واقعات سے پریشان اور بلوچ علیحدگی پسندوں کے دباؤ کا شکار، سکندر مرزا نے 7 اکتوبر 1958 کو فیصلہ لیا کہ بہت ہو گیا۔ ایک نئی شروعات کی ضرورت ہے۔ سیاسی پارٹیاں تحلیل کر دیں۔ دو سال پہلے بنا ہوا آئین منسوخ کر دیا اور ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ اعلان کیا گیا کہ یہ عارضی ہے اور جیسے ہی نیا آئین تیار ہو گا، مارشل لاء کو اٹھالیا جائے گا۔ بارہ وزراء کی کابینہ نے حلف اٹھایا۔ جنرل ایوب خان کو وزیراعظم بنادیا گیا۔ تین اور جنرلوں کو کابینہ ممبران بنایا گیا۔ بقیہ آٹھ ممبران میں ذوالفقار علی بھٹو بھی تھے جو سابق یونیورسٹی لیکچرار اور مستقبل کے سربراہ تھے۔

اسی روز جنرلوں نے سکندر مرزا کو بھی ملک بدر کر دیا۔ ”فوج اور عوام ماضی کو مٹا کر ایک نئے دور میں قدم رکھنا چاہتے ہیں۔“ یہ اعلان نئی حکومت نے کیا۔ اگلا آئین 1962 میں بنا۔ ایوب خان نے اس دوران کئی سیاستدانوں

اور سول سرونٹس کو برطرف کر کے ان کی جگہ آرمی آفیسر تعینات کئے۔ ایوب خان نے کہا کہ یہ چور بازاری اور کرپشن کو ختم کرنے کے لئے کیا جا رہا ہے۔

نیا آئین مارچ 1962 کو بنا جس میں تمام ایگزیکٹو اختیارات صدر کے پاس تھے۔ صدر، بغیر کسی کی منظوری کے، کوئی بھی وزیر بنا سکتا تھا۔ وزیراعظم کا عہدہ حذف کر دیا گیا۔ ایک قومی اسمبلی تھی اور دو صوبائی اسمبلیاں۔ ان کے ممبران ”بنیادی جمہوریت“ کے ذریعے چنے جانے تھے۔ عام ووٹر اور صدر کے درمیان پانچ تہوں کا فرق تھا۔ اس آئین میں قومی انٹیگریشن اور مضبوط مرکزی حکومت پر زور تھا۔ بنگالیوں کے لئے اس میں کچھ نہیں تھا۔ مارشل لاء کے لئے قانونی سپورٹ تھی۔ پارلیمانی اداروں کے پاس تقریری مقابلوں اور اخلاقی دباؤ ڈالنے سے زیادہ کچھ بھی نہیں تھا۔ ان برسوں میں مشرقی اور مغربی پاکستان زیادہ تیزی سے دور ہوتے گئے۔ عوامی لیگ کی سربراہی سہروردی کے بعد کرشنا لیڈر شیخ مجیب الرحمان کے پاس آئی۔ مجیب، جو تحریک پاکستان میں سرگرم رہے تھے، مشرقی پاکستان کی آزادی کی بات 1956 میں کر چکے تھے۔ ان کو 1958 میں مارشل لاء کے وقت جیل میں ڈالا گیا تھا۔ جلد ہی مشرقی حصے کو اختیارات کی تحریک کا معاملہ قومی سیاست میں نمایاں طور پر سامنے پر آ گیا۔

پاکستان میں 1960 سے 1965 کے درمیان ہونے والی فی کس جی ڈی پی کی شرح نمو مغربی پاکستان میں 4.4 فیصد جبکہ مشرقی پاکستان میں 2.6 فیصد رہی تھی۔ بنگالی سیاستدانوں کا کہنا تھا کہ پاکستان کی ترقی مشرقی پاکستان کی چائے اور پٹ سن سے ہو رہی ہے۔ 1960 میں پاکستان کی برآمدات کا 70 فیصد مشرقی پاکستان سے ہوتا تھا۔ پٹ سن کی عالمی مانگ میں کمی کی وجہ سے یہ 1965 میں ساٹھ فیصد سے نیچے گر چکا تھا اور 1971 میں پچاس فیصد تھا۔ لیکن اس نے مجیب کو الگ فارن اکاؤنٹ اور الگ تجارتی آفس بنانے کے مطالبے سے نہیں روکا۔

ترقی کی دہائی ”سے فائدہ اٹھا رہا تھا۔ سبز انقلاب میں گندم کی پیداوار“ ساٹھ کی دہائی کے وسط میں مغربی پاکستان میں اضافہ ہوا تھا اور پاکستان کی ٹیکسٹائل کی برآمدات کی مارکیٹ وسیع ہوئی تھی۔ جبکہ مشرقی پاکستان کا معیار زندگی مقابلتاً بہت پست تھا۔ حکومتی ادارے اور دارالحکومت مغربی پاکستان میں تھے اور بیرونی امداد بھی وہیں پر آتی تھی۔

لاہور میں عوامی لیگ کی 1966 کی کانفرنس میں مجیب نے اپنے متنازعہ چھ نکات کا اعلان کیا۔ فیڈرل اور پارلیمانی

حکومت کا مطالبہ کیا گیا۔ یہ مطالبہ کیا گیا کہ انتخابات براہ راست ہوں۔ اسمبلی میں نشستیں آبادی کی بنیاد پر ہوں۔ فیڈرل حکومت کا کام صرف دفاع اور خارجہ امور پر ہو۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کی کرنسی الگ ہو۔ ٹیکس خود اکٹھے کریں اور خود استعمال کریں۔ وفاقی حکومت کو چلانے کے لئے دونوں حصے آئینی طور پر گارنٹی کی گئی گرانٹ دیا کریں۔ زر مبادلہ دونوں حصے خود کمائیں اور حساب رکھیں۔ پولیس اور پیرامٹری فورس بھی صوبوں کے پاس ہوں۔

مجیب کے چھ نکات ایوب کے پلان کی ضد تھے۔ اور جو پریشانی ایوب کو تھی، وہ مغربی پاکستان کی آبادی کے بڑے حصے کو بھی تھی کہ مجیب کا پلان عملاً تقسیم پاکستان کا پلان ہے۔ اس سے لسانی اور نسلی تفریق بڑھے گی اور زیادہ آبادی ہونے کی وجہ سے مشرقی پاکستان عملی طور پر زیادہ طاقتور ہو جائے گا۔ اس کو غداری کہا گیا اور جب جنوری 1968 میں مجیب کی پارٹی نے ڈھاکہ میں ہڑتال کے دوران ہنگامہ کیا تو مجیب کو گرفتار کر لیا گیا۔

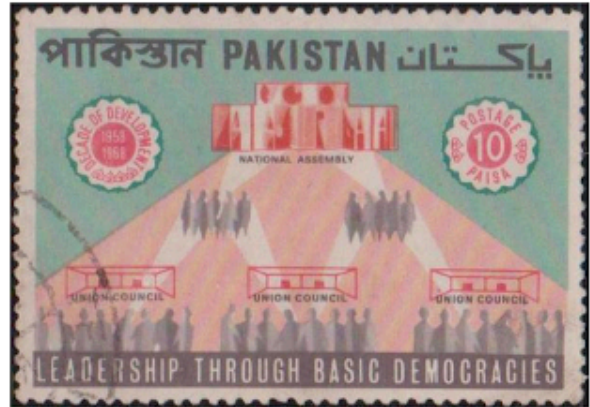
اس برس ایوب خان کو کئی سیٹ بیک ہوئے۔ اپنی صحت بھی اچھی نہیں تھی اور اپنے اقتدار کی دس سالہ تقریبات کے دوران قتل ہو جانے سے بال بال بچے تھے۔ اس کے بعد ہنگامہ آرائی ہوئی جس پر بھٹو کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ ڈھاکہ میں ایک ٹریبونل مجیب کی کارروائیوں کی تفتیش پر بنایا گیا جس کی وجہ سے ایوب حکومت کے خلاف عوامی مزاحمت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ چار سال کے بعد ملک میں نافذ ایمر جنسی اٹھائی گئی اور اپوزیشن لیڈروں کی فروری 1969 کو ایوب خان نے اعلان کیا کہ وہ 21 کانفرنس کروائی گئی لیکن اس سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ اگلے برس ہونے والا صدارتی انتخاب نہیں لڑیں گے۔ ہڑتالوں اور احتجاجوں کی وجہ سے ملک انار کی کاشکار تھا۔ پولیس اس سب کو قابو کرنے میں ناکام نظر آتی تھی۔ فوج اس سے لا تعلق کھڑی تھی۔ آخر کار، 25 مارچ کو ایوب نے استعفیٰ دیا اور اقتدار فوج کے سربراہ جنرل آغا محمد یحییٰ خان کے سپرد کر دیا۔ ملک میں ایک بار پھر مارشل لاء لگا دیا گیا۔ یحییٰ خان نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر کے عہدے سنبھالے۔ اعلان کیا کہ وہ عارضی مدت کے لئے آئے ہیں۔ امن و امان بحال کریں گے۔ آزاد انتخابات کروائیں گے۔ نئی اسمبلی بنے گی جو نیا آئین بنائے گی اور اقتدار ان کو دے دیا جائے گا۔ اگست 1969 میں انہوں نے اپنی کابینہ بنائی اور دسمبر 1970 کو انتخابات کا اعلان کر دیا۔ ون یونٹ کو ختم کر دیا۔ مشرقی پاکستان کے لئے 300 میں سے 162 سیٹیں رکھی گئیں۔

ان انتخابات سے صرف چند ہفتے پہلے ایک بہت بڑا طوفان مشرقی پاکستان سے آکر ٹکرایا۔ اتنا بڑا طوفان صدیوں بعد آیا تھا۔ بھولا سائیکلون۔۔۔ جس کو اولسن رچرڈ خانہ جنگی شروع کرنے والی پہلی قدرتی آفت کہتے ہیں۔

لیکن پاکستان کی سیاست میں آخر مغربی حصہ ہی کیوں غالب رہا اور مشرقی حصہ کیوں نہیں؟ اس کے لئے ہمیں برٹش انڈین آرمی کے سربراہ لارڈ فریڈرک رابرٹس کی پالیسی تک جانا پڑے گا جس کی وجہ سے بنا ہوا پاور سٹرکچر پاکستان کو وراثت میں ملا۔ مشرقی پاکستان میں اس کو "پنجابی اسٹیبلشمنٹ" کہا جاتا تھا۔

اور اس سے پہلے ایک اہم تاریخی سوال کا جواب دیکھنا پڑے گا اور وہ یہ کہ۔۔۔
”منگل پانڈے نے 29 مارچ 1857 کو گولی کیوں چلائی؟“

ساتھ لگی تصویر "ترقی کی دہائی" پر جاری کردہ ڈاک کے ٹکٹ جو 1958 سے 1968 میں ہونے والی ترقی کی یاد میں جاری کئے گئے۔



انگریز قبضہ اور پنجابی اسٹیبلشمنٹ

برصغیر کا بڑا علاقہ عسکری فتوحات کے ذریعے متحد کرنے والے بادشاہ چندر گپت موریا کے پوتے اشوکا تھے۔ مغلیہ دور میں اکبر اور اورنگزیب کے ادوار میں بھی بڑا علاقہ ایک حکمران تلے رہا لیکن تاریخ میں زیادہ تر یہاں پر الگ خود مختار ریاستیں تھیں، جو ایک دوسرے سے متحارب رہیں (ویسے ہی جیسے یورپ میں متحارب آزاد ریاستیں تھیں)۔ یہ علاقہ برٹش کالونی بنا لیکن پلاسی میں فتح سے تخت لاہور 93 برس اور تخت لاہور سے چترال تک مزید 43 برس کا وقفہ ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی برصغیر میں پہلی عسکری فتح بنگال میں ہوئی جب نواب سراج الدولہ کی فورس کو پلاسی کی میدان میں 1757 میں شکست ہوئی۔ کمپنی اپنی فوج کے لئے مقامی افراد بھرتی کرتی تھی اور لڑنے والوں میں اکثریت مقامی افراد کی ہی ہوتی تھی۔ اس جنگ کے بعد بنگال آرمی باقاعدہ طور پر قائم کی گئی۔ 1764 میں بہار میں جنگ لڑی اور شاہ عالم کو شکست دی۔

انیسویں صدی کے آغاز تک موجودہ پاکستان کا تقریباً تمام علاقہ خود مختار حکمرانوں کے پاس تھا۔ سندھ میں تالپور میروں کی تین ریاستیں تھیں جن پر 1843 میں قبضہ ہوا۔ مغلوں کے زوال کے بعد بڑے علاقے پر سکھ حکومت تھی۔ لاہور اس ریاست کا دار الحکومت تھا۔ تخت لاہور سب سے طاقتور رنجیت سنگھ کے دور میں تھا۔ یہ سلطنت پشاور سے آگے جا چکی تھی۔ 1819 میں کشمیر ان کے پاس تھا۔ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد انگریزوں کو موقع ملا کہ پنجاب پر قابض ہو سکیں۔ سکھوں کے ساتھ دو جنگیں ہوئیں۔ دوسری جنگ کے بعد پنجاب بھی برٹش انڈیا کا حصہ بن گیا اور موجودہ خیبر پختونخواہ بھی۔ امرتسر میں 1850 کے معاہدے کے تحت کشمیر کو ڈوگرہ خاندان کو فروخت کر دیا گیا اور یہ ان کے پاس 1947 تک رہا۔

ملکہ وکٹوریہ 1877 میں انڈیا کی ملکہ بنیں۔ برٹش انڈیا میں وکٹورین ماڈل نافذ ہوا۔ انتظامی معاملات کے لئے ملک کو صوبوں میں تقسیم کیا گیا۔ ڈویژن اور پھر ضلع بنے جس میں ڈسٹرکٹ آفیسر کا کلیدی کردار تھا۔ محصول کی وصولی سے نظام انصاف تک اس کے پاس ہوتا تھا۔ ڈسٹرکٹ کلیکٹر، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور کئی علاقوں میں ڈپٹی کمشنر۔

اس کے لئے انڈین سول سروس بنی۔ شروع میں صرف برطانوی ہوا کرتے تھے، پھر اس میں مقامی افراد کو شامل کرنے کے لئے مقابلے کا امتحان آیا۔ جہاں پر انگریز کی براہ راست حکومت نہیں تھی وہاں پر مہاراجوں اور نوابوں سے معاہدے تھے۔

موجودہ پاکستان کے مغرب میں کم آباد قبائلی علاقوں میں پالیسی بدلتی رہی۔ روس نے وسطی ایشیا میں پیش قدمی شروع کر دی تھی۔ اس خطرے سے بچنے کیلئے فاروڈ پالیسی اپنائی گئی۔ خان آف قلات سے 1876 میں معاہدہ ہوا۔ خاران، مکران اور لسبیلہ بھی اب برٹش حکمرانی میں آگیا۔ دوسری افغان جنگ کے بعد افغان امیر نے پشین، سبی، ہرنائی اور تھل چھوٹیالی کا علاقہ برٹش کے سپرد کر دیا۔ اگلے برسوں میں برٹش نے دوسرے قبائلی علاقوں پر فوجی قبضہ کیا۔ 1883 میں کوئٹہ کے جنوب مشرق میں بولان پاس خان آف قلات سے مستقل لیز کر لیا اور 1887 میں بلوچستان کے کچھ علاقوں کو برٹش علاقہ قرار دے دیا گیا۔

شمال کی طرف برطانوی پولیٹیکل ایجنٹ 1876 میں روسی حرکات کی خبر رکھنے کے لئے گلگت میں تعینات ہوا۔ 1889 میں گلگت ایجنسی مستقل ہوئی۔ ہنزہ اور نگر میں عسکری دستے بھیج کر کنٹرول حاصل کر لیا گیا اور ہنزہ میں نئے میر کو تعینات کر دیا گیا۔ ہنزہ اور چترال میں 1892 میں برطانوی گیریشن بنے اور 1893 میں ہنزہ اور چترال کو رسمی طور پر برٹش پروٹیکٹوریٹ کا حصہ بنالیا گیا۔

مورٹیمیر ڈیورنڈ نے 1893 میں افغانستان کے امیر عبدالرحمان خان سے ایک معاہدہ کیا جس میں چترال سے بلوچستان تک سرحد کھینچی گئی کہ کونسے علاقے افغان اور کونسے برطانوی ہوں گے۔ دونوں نے معاہدہ کیا کہ ایک دوسرے کی زمین میں مداخلت نہیں کریں گے۔ اس سے وہ لوگ بھی برطانوی حکومت کے زیرِ تحت آگئے جنہیں فوج بھیج کر فتح نہیں کیا گیا تھا۔ بعد میں پاکستان اور افغانستان میں مشکل تعلقات کی وجہ یہ بنا۔ برطانیہ نے یہاں پر انڈیا کے دوسرے حصوں کی طرح کی ضلعی انتظامیہ کا نظام قائم نہیں کیا۔ مقامی رسومات اور روایتی نظام چلتا رہا۔ یہ پوری سرحد برطانوی اور روسی سلطنتوں کے درمیان ایک بفر زون تھی اور برٹش انڈین آرمی نے لئے ٹریننگ گراؤنڈ۔ لیکن یہ برٹش انڈین آرمی کیا تھی؟ یہ بڑی حد تک مقامی فوج تھی جس کو علاقائی بنیادوں پر منظم کیا گیا تھا۔

انیسویں صدی کی ابتدائی تین دہائیوں میں انگریزوں نے بڑے علاقے پر فتوحات کیں۔ اس میں بنگال آرمی نے اہم کردار ادا کیا۔ میسور، کرناٹک، پنجاب، کیرالہ، مرہٹوں کے خلاف جنگ کے علاوہ اس نے چین، برما، انڈونیشیا کی جنگوں میں بھی حصہ لیا۔ 1857 میں اس فوج کے 74 ریجیمینٹ تھے۔

بنگالی سپاہی انگریز جنرل آفسرز کے ہتک آمیز رویے سے نالاں تھے۔ نئے علاقے برٹش انڈیا کا حصہ بن جانے کے بعد بنگالی فوجیوں کے لئے ان علاقوں میں تعیناتی ”غیر علاقے“ کی تعیناتی نہیں رہی تھی۔ پنجاب اور اودھ انگریزوں کے پاس چلے جانے کے بعد ان کی اضافی تنخواہ بھی ختم کر دی گئی تھی۔ کم تنخواہ، ہندو مسلم کشیدگی اور انگریز افسروں کے رویے کی وجہ سے مورال کم تھا۔ اس موقع پر یہ افواہ کہ گولیوں پر سور اور گائے کی چربی ہے، فلیش پوائنٹ ثابت ہوئی۔ منہ سے ان کو کھولنے کا حکم مسلمان اور ہندو دونوں کے لئے قابل اعتراض تھا۔ یہ وہ پس منظر تھا جہاں سے 1857 کی جنگ آزادی شروع ہوئی۔ اس کا آغاز 26 فروری 1857 کو بنگال انفینٹری سے کوئیک پور پریڈ گراؤنڈ میں انگریز 1857 ہوا جب مقامی فوجیوں نے پریڈ کرنے سے انکار کر دیا۔ 29 مارچ افسر پر گولی چلانے والے پہلے سپاہی منگل پانڈے تھے جو 34 ویں بنگال انفینٹری سے تعلق رکھتے تھے۔

اس بغاوت کو شروع کرنے والے اور اس میں سب سے زیادہ حصہ لینے والے بنگالی فوجی تھے۔ یہ شمالی اور وسطی انڈیا میں بڑی لڑائی میں بدل گئی۔ برطانیہ نے اس کو ڈیڑھ سال میں 1858 تک کچل دیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی ختم ہو گئی۔ انڈیا اس کے بعد باقاعدہ طور پر برطانوی کالونی بنالیا گیا اور تاج برطانیہ کے تحت آگیا۔ چونکہ اس میں سب سے بڑا ہاتھ بنگالی سپاہیوں کا تھا، اس لئے برطانیہ نے بنگالی آرمی کو ختم کر دیا۔ اور ان پر بھروسہ کرنے سے بھی کتراتے رہے۔ برٹش فوج میں شمال مغربی انڈیا سے آنے والوں کو ترجیح دی گئی۔ اس میں پنجابی اور پنجتون سب سے زیادہ تھے۔ بنگال آرمی کی مدد سے انگریزوں نے پنجاب سمیت برصغیر کے بڑے حصے پر قبضہ کیا تھا، لیکن انیسویں صدی کے دوسرے نصف اور بیسویں صدی میں انگریزوں کی بڑی جنگوں میں، جن میں افغان جنگ اور جنگ عظیم شامل تھے، پنجابی اور پنجتون غالب تھے۔

برٹش انڈین آرمی کے سربراہ لارڈ فریڈرک رابرٹس نے ”مارشل نسل“ کی میتھ بنائی۔ یہ 1885 میں سربراہ بنے تھے۔ ان کی تھیوریوں کے مطابق ہونے والی بھرتیوں کا دور برٹش فوج میں پنجابیوں اور پٹھانوں کا دور تھا۔ برٹش انڈین آرمی میں 1920 کی دہائی میں پنجاب سے 350,000 لوگ تھے۔ جبکہ بنگال، جس کی آبادی پنجاب سے دگنی تھی، سے لوگوں کی تعداد صرف 7,000 تھی۔ یہ وہ پس منظر اور بھرتی کی پالیسی تھی، جس نے ایک صدی بعد پاکستان اور بنگلہ دیش کی قسمت تشکیل دی۔

ابتدائی برسوں کے پاکستان میں سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے فوج کا سیاست میں کلیدی کردار، فوج میں یہ شدید عدم توازن، مغربی پاکستان میں تاریخ کی وجہ سے کشمیر کے مسئلے کی اہمیت، مغربی سرحد میں برٹش سول نظام کی عدم موجودگی کے باعث انٹیگریشن میں مشکلات۔۔۔۔۔ یہ پاور سٹرکچر کے عدم توازن کا مسئلہ تھا جو حل نہ ہو سکا کا مسئلہ کہلایا۔ ”اور مشرقی پاکستان کے عوام کے لئے“ پنجابی اسٹیبلشمنٹ

ساتھ لگی تصویر میں تو فرق کی جنگ کی عکاسی کی گئی ہے جو 22 مارچ 1885 کو لڑی گئی۔ برٹش انڈین آرمی نے اس میں سوڈان کے عثمان دقنہ کی مہدی آرمی کو بھاری شکست دی۔



ملٹری

تقسیم ہندوستان میں برٹش انڈین آرمی کا بھی بٹوارہ ہوا۔ جنگ آزادی میں کردار کی وجہ سے بنگالی فوج کا قابل ذکر حصہ نہیں تھے۔ برٹش جنرل کی مارشل ریس کی نسل پرست پالیسی کی وجہ سے پاکستان آرڈ فور سز میں بنگالی تک پاکستان آرمی میں اکٹھے رہے۔ انڈیا کے ساتھ جنگوں 1971 مسلمان چھوٹی اقلیت تھے اور رہے۔ یہ مارچ میں بھی حصہ لیا۔ لیکن ان کا تعداد میں کم ہونے کا مطلب یہ تھا کہ عسکری پالیسی پر ان کا کوئی اثر اور رائے نہیں تھی۔ ہر عسکری برانچ کا ہیڈ کوارٹر مغربی پاکستان میں تھا۔ نازک سیکورٹی صورتحال کی وجہ سے دفاعی اخراجات پاکستان کا بجٹ کا سب سے بڑا خرچ رہا۔ ملک سے اکٹھے ہونے والے ٹیکس کا پیسہ سب سے زیادہ دفاع میں جاتا تھا۔ بیرونی ملٹری امداد 1950 اور 1960 کی دہائی میں دفاع میں جاتی تھی۔ فور سز کو کہاں تعینات کرنا ہے؟ ایلوکیشن کی پریکٹس کیا ہونی ہے؟ یہ سب مغربی حصے میں طے ہوتا تھا۔ دفاعی اخراجات کے اکاؤنٹ فوائد، جیسا کہ دفاعی ٹھیکے، خریداری، فوج کو سپورٹ کرنے کی ملازمتیں، سب مغربی پاکستان کے پاس تھیں۔ فوج لوگوں کے لئے ملازمت حاصل کرنے کا بڑا ادارہ تھا۔ ان کی تنخواہوں اور الاؤنس سے فائدہ اٹھانے والے زیادہ تر افراد مغربی پاکستان سے تعلق رکھتے تھے۔

پاکستانی ریکروٹرز کا کہنا تھا کہ مشرقی پاکستان کے لوگ فوج میں آنے کو تیار نہیں ہوتے۔ اور عسکری روایت پٹھانوں اور پنجابیوں میں ہے۔ یہ خیال "مارشل نسل" کے تصور کی یادگار تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ فوجی تربیتی ادارے بھی مغربی پاکستان میں تھے۔ مشرقی پاکستان والوں کا کہنا تھا کہ انہوں نے بھی تحریک پاکستان میں اتنا ہی حصہ ڈالا ہے۔ فوج میں ہونا نہ صرف ان کا حق ہے بلکہ ذمہ داری بھی۔ مارشل نسل کا تصور نہ صرف مضحکہ خیز ہے بلکہ تضحیک آمیز بھی۔ اور سیکورٹی کے نکتہ نظر سے مشرقی پاکستان میں اتنی کم فوج رکھی جاتی ہے کہ اپنے حریف انڈیا کے سامنے دفاع کرنے کا طریقہ نہیں اور اس صورتحال کو بدلنے کا سوچا بھی نہیں جا رہا۔

یہ تمام دلائل دئے جاتے رہے اور شد و مد سے دئے جاتے رہے لیکن صورتحال ویسے ہی رہی۔ پاکستانی صدر ایوب خان کا کہنا تھا کہ مشرقی پاکستان کا دفاع اس وقت ممکن ہے جبکہ مغربی پاکستان میں مضبوط فورس اور بیس ہو کیونکہ عسکری تجربہ اُس طرف ہے۔

فوج کی اس طریقے سے تعیناتی کی وجہ ایک اور بڑا مسئلہ تھا۔ جہاں پر پاکستان نے افرادی قوت کا شدید عدم توازن آزادی کی وراثت میں لیا تھا، وہاں ایک اور سرحدی تنازعہ بھی۔ یہ کشمیر کا مسئلہ تھا۔ چونکہ یہ مغربی پاکستان سے منسلک تھا، اس لئے اس تنازعے کے بارے میں مشرقی پاکستان میں ویسے جذبات نہیں تھے، جو مغربی حصے کے۔ اگرچہ مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والوں نے اس تنازعے پر انڈیا سے ہونے والی جھڑپوں میں حصہ بھی لیا لیکن مشرقی حصے میں اس کو مغربی پاکستان کا مسئلہ سمجھا جاتا تھا۔ تاثر یہ تھا کہ مغربی حصے کے مسائل کے لئے ان سے ٹیکس بھی اکٹھا کیا جا رہا ہے اور ان سے قربانیاں بھی لی جا رہی ہیں۔ دوسری طرف فوج میں اعلیٰ سطح پر مشرقی پاکستان سے نمائندگی نہ ہونے کی وجہ سے اس بڑھتی خلیج کا احساس بھی نہیں تھا۔ اس مسئلے کی وجہ سے فوج کی تعیناتی بھی زیادہ مغربی حصے میں رہی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فوج میں شرکت بہت زیادہ عدم توازن کا شکار رہی۔ 1956 میں میجر سے اوپر رینک کے 894 افسروں میں سے صرف 14 کا تعلق مشرقی پاکستان سے تھا۔ بحریہ کے افسروں میں 593 میں سے 7 جبکہ فضائیہ میں 640 میں سے 40۔

یہ توازن 1965 تک کچھ بہتر ہوا تھا لیکن بنگالی افسروں کی تعداد آرمی میں صرف پانچ فیصد تھی۔ فضائیہ اور بحریہ میں اس سے کچھ ہی بہتر لیکن بنگالی عسکری اداروں میں چھوٹی اقلیت تھے۔ پوری فوج میں صرف ایک میجر جنرل ایسے تھے جو بنگال سے ہوں۔

فروری 1966 میں عوامی لیگ کے سربراہ مجیب نے چھ نکاتی پروگرام کا اعلان کیا جس میں سے چھٹا نکتہ یہ تھا کہ دونوں حصے اپنی اپنی پیرامیٹری فورس بنائیں جو قومی سلامتی میں شرکت کر سکے۔ یہ نکتہ بڑھ کر مشرقی پاکستان کی اپنے دفاع میں خود انحصاری میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اپنی ملٹری اکیڈمی، آرڈیننس فیکٹری۔ اور ساتھ نیول ہیڈ کوارٹر کی مشرقی ونگ میں منتقلی۔

مجیب کا چھ نکاتی پیچ مرکزی حکومت کے لئے قابل قبول نہیں تھا لیکن جولائی 1969 میں جنرل آغا محمد یحییٰ خان نے پالیسی کی بڑی تبدیلی کا اعلان کیا۔ فوج میں بنگالیوں کی بھرتی دگنی کر دی جائے گی۔ مشرقی پاکستان میں بھرتی کے مراکز قائم کئے جائیں گے۔ ترقی میں ان کو ترجیح ملے گی۔ قد کی شرط کو کم کیا جائے گا۔ لیکن جب مارچ 1971 کی خانہ جنگی شروع ہوئی تو صورتحال یہی تھی کہ پاکستانی آرمی میں بنگالیوں کی تعداد بہت کم تھی۔ سرحدی فورس

ایسٹ پاکستان رائفلز اور آرمی کی ایسٹ بنگال ریجیمینٹ مشرقی پاکستان کی فورسز تھیں۔

اس بڑے عدم توازن کی وجہ سے پاکستان آرمی بنگالیوں کے خیالات سے اس حد تک بے خبر تھی کہ جب اس نے 25 مارچ 1971 کو ڈھاکہ پر حملہ کیا تو ان کے لئے یہ ایک بڑی سرپرائز تھی کہ ایسٹ پاکستان رائفلز اور ایسٹ بنگال ریجیمینٹ پاکستان آرمی کا مقابلہ کرنے دوسری طرف کھڑی تھی۔ اور اس جنگ میں پاکستان کے خلاف نیم منظم فوج کے سربراہ نے کوئٹہ میں اپنا تربیتی کورس جنرل یحییٰ خان، جنرل ٹکا خان اور جنرل اے کے نیازی کے ساتھ ہی کیا تھا۔

طوفان

مشرقی پاکستان میں 12 نومبر 1970 کو ایک سائیکلون ٹکرایا۔ اس نے آٹھ ہزار مربع میل کے علاقے پر تباہی مچائی۔ یہ اس علاقے میں صدیوں بعد آنے والی اتنی بڑی قدرتی آفت تھی۔ ڈھائی لاکھ لوگ اس میں لقمہ اجل بنے۔ یحییٰ خان اس وقت چین کے دورے پر تھے۔ طوفان سے دو روز بعد بیجنگ سے ڈھا کہ پہنچے، رات رہے اور اگلے روز مغربی پاکستان چلے گئے۔ اس کا شکار بننے والوں سے عدم توجہی ایک بڑا سیاسی ایشو بنی۔ ڈھا کہ میں اپوزیشن کے اخبارات نے مرکزی حکومت پر الزام لگایا کہ نہ صرف وہ مدد نہیں کر رہی بلکہ عالمی ریلیف ایجنسیوں کی کوششیوں میں خلل ڈال رہی ہے۔ اس طوفان کے ردِ عمل نے مغربی پاکستان کے طرف بہت کڑوے جذبات پیدا کئے۔ مجیب، جو اس وقت تک رہا ہو چکے تھے، ان کا کہنا تھا، ”مغربی پاکستان میں اس سال گندم کی بمپر فصل ہوئی ہے۔ ہمارے پاس جو گندم پہلے پہنچی، وہ مغربی پاکستان سے نہیں تھی۔ ٹیکسٹائل کے تاجروں نے ہمارا تن ڈھکنے کو ایک گز کپڑا تک نہیں بھیجا۔ ہمارے پاس اتنی بڑی فوج ہے لیکن مرجانے والے بنگالیوں کو دفن برطانیہ کے فوجی کرتے رہے۔“ اور پھر ایک واضح دھمکی، ”وہ وقت آرہا ہے جب ہر گاؤں، گھر اور بستی میں وہ سوچ پیدا ہو رہی ہے کہ ہمیں اپنے پر خود حکومت کرنی ہے۔ ہمیں اپنے فیصلے خود لینے ہیں۔ ہم مغربی پاکستان کے بیوروکریٹ، سرمایہ دار اور جاگیر دار کے رحم و کرم پر نہیں رہ سکتے۔“

کیا پاکستان اس سے بہتر طور پر نپٹ سکتا تھا؟ شاید ہاں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے پاس اتنی بڑی آفت سے معاملہ کرنے کے وسائل ہی نہیں تھے۔ اس طوفان نے علاقوں کی رسائی اور ریلیف پہنچانے کے انفراسٹرکچر بھی ختم کر دیے تھے۔ موسمیاتی واقعات کیسے سیاسی سٹرکچر اٹا سکتے ہیں؟ اس پر اولسن رچرڈ نے اپنی 2007 میں لکھی رپورٹ میں تاریخ سے جو مثال استعمال کی ہے، وہ یہ طوفان ہے، جو بھولا سائیکلون کہلایا۔ اس رپورٹ میں اولسن رچرڈ اس کو خانہ جنگی شروع کروانے والی پہلی قدرتی آفت کہتے ہیں۔

یحییٰ نے قومی انتخابات کا اعلان 7 دسمبر کو کیا تھا اور ووٹروں سے اپیل کی تھی کہ ایسے امیدواروں کو ووٹ ڈالیں

جو پاکستان کی یکجہتی اور اتحاد کے ساتھ مخلص ہوں۔ یہ پاکستان کی تاریخ کے پہلے انتخابات تھے جن کا فیصلہ عوام نے براہ راست کرنا تھا۔ یحییٰ خان نے آزادانہ، منصفانہ، شفاف اور غیر جانبدارانہ انتخابات کا وعدہ پورا کیا۔ ان میں مشرقی پاکستان کے ووٹروں نے مغربی پاکستان سے اپنے غیر مطمئن ہونے کا واضح اعلان کر دیا۔ عوامی لیگ نے 162 میں سے 160 نشستیں جیت لیں۔ بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی کے حصے میں مغربی پاکستان کی 138 میں سے 81 نشستیں آئی تھیں۔ اسمبلی کا اجلاس کبھی نہ ہو سکا۔ مجیب کبھی پاکستان کے وزیر اعظم نہیں بنے۔

یحییٰ اور بھٹو مجیب کے کنفیڈریشن کے تصور کے شدید مخالف تھے۔ مجیب اپنے چھ نکات سے ذرا بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھے۔ یہ عملی طور پر بڑی حد تک تقسیم پاکستان تھی جو مغربی پاکستان میں قابل قبول نہیں تھی۔ بھٹو کا کہنا تھا کہ متحد پاکستان کی قیادت وہی کر سکیں گے۔ بڑھتی ہوئی ٹینشن میں مجیب نے تجویز کیا کہ دو الگ وزیر اعظم بنا لئے جائیں۔ ایک مغربی حصے میں اور ایک مشرقی حصے میں۔ مشرقی پاکستان میں اقتدار کی منتقلی نہ کئے جانے کے سبب شدید احتجاج ہو رہے تھے اور یہ حصہ بری طرح سے سول نافرمانی کا شکار تھا۔ مجیب نے اقتدار نہ دئے جانے تک ہڑتال کی کال دی ہوئی تھی۔ اس سیاسی کھیل سے تنگ آ کر یحییٰ نے مجیب کے مطالبات کو مکمل طور پر نظر انداز کر دینے کا فیصلہ کیا اور یکم مارچ کو اعلان کر دیا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس، جو 3 مارچ ہو ہونا تھا، وہ غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کیا جا رہا ہے۔ یکم مارچ کو جنرل ٹکا خان کو مشرقی پاکستان کا ملٹری گورنر بنا دیا گیا۔ ٹکا خان کی تقرری ارادے کا واضح پیغام تھا۔

مشرقی پاکستان میں امن وامان مفقود تھا۔ حکومتی مشینری مفلوج ہو چکی تھی۔ ٹیکس دینا بند کیا جا چکا تھا۔ مسلح جتھے دندناتے پھرتے تھے جو ایک دوسرے کو قتل کیا کرتے تھے۔ دیہی علاقوں میں ماؤ اسٹ گروپ، شہروں میں یوتھ تنظیمیں جن میں سے سٹوڈنٹس لیگ بدنام تھی۔ جرائم پیشہ لوگ جن کو غنڈہ گروپ کہا جاتا تھا۔ اسلامسٹ گروپ۔ کچھ گروپس کو درپردہ انڈیا کی سپورٹ حاصل تھی۔ عوامی لیگ نے اپنی پیرامیٹری فورس 1970 میں قائم کر لی تھی اور حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لئے، ہڑتالیں کروانے، حکومتی نظام درہم برہم کرنے کے لئے اسے استعمال کیا جا رہا تھا۔ مشرقی پاکستان میں سیاست پہلے بھی متشدد رہی تھی لیکن اب مکمل لاقانونیت کا راج تھا۔ ”پہلے امن وامان قائم ہو، بدوق رکھوائی جائے، پھر سیاست ہو“ کا مطالبہ کئی حلقوں سے آ رہا تھا۔

اس سے پچھلے ہفتوں سے ہی مغربی پاکستان سے فوج مشرقی پاکستان تعینات ہونا شروع ہو گئی تھی۔ یہ تعداد چند ہفتوں میں پچیس ہزار سے بڑھا کر ساٹھ ہزار کر دی گئی تھی۔ یہ حربہ مجیب پر اپنے مطالبات میں لچک پیدا کرنے کا پریشر بھی تھا، جس نے کام نہیں کیا۔ جب تناؤ زیادہ بڑھا، تو آخری حربے کے طور پر یحییٰ مارچ کے وسط میں ڈھاکہ گئے کہ مجیب سے مذاکرات کئے جائیں۔ اس کے درمیان میں بھٹو کو بھی بلوایا گیا۔ مذاکرات جلد ناکام ہو گئے۔ 23 مارچ کو یوم پاکستان منایا جاتا تھا۔ اس سال بنگالیوں نے اس کی جگہ پر یوم مزاحمت منایا۔ یحییٰ نے فیصلہ کیا کہ کریں گے۔ 25 مارچ کو یحییٰ اسلام آباد چلے گئے۔ اسی رات ملٹری ”اب وہ اس مسئلے کو اپنے طریقے سے“ حل کریک ڈاون شروع کر دیا گیا۔

اس آپریشن کو پلان پہلے سے کر لیا گیا تھا۔ ڈھاکہ میں چند گھنٹوں میں قتل عام شروع ہو گیا۔ ابتدا میں سب سے بھاری حملے ڈھاکہ یونیورسٹی اور پرانے شہر کے علاقے پر ہوئے۔ پہلے سے طے کردہ ہٹ لسٹ پر چند سو بنگالی تھے جن کا صفایا کیا گیا۔ عوامی لیگ کی سنیر قیادت اس سے پہلے روز کلکتہ جا چکی تھی۔ مجیب ابھی ڈھاکہ میں تھے۔ ان کو گرفتار کر کے مغربی پاکستان پہنچا دیا گیا۔ تمام عالمی صحافیوں کو ڈھاکہ انٹرنیشنل ہوٹل میں بلا یا گیا۔ ان کے نوٹس ضبط کر لئے گئے۔ اگلے روز سب کو ملک بدر کر دیا گیا۔ ایک رپورٹر، جو اس سنسر سے بچ گیا تھا اس کا تخمینہ ہے کہ ایک آرمرڈ، ایک آرٹلری اور ایک انفنٹری کی بٹالین نے اس روز ڈھاکہ پر حملہ کیا تھا۔ کچھ خبر دینے والے اور وہ صحافی، جو بعد میں چھپ کر مشرقی پاکستان پہنچے، ان کا اندازہ ہے کہ پہلے چار روز میں مارے جانے والوں کی تعداد پندرہ ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ اس موسم گرما میں ہونے والا جانی نقصان شاید تین لاکھ جانوں کا تھا۔ نو ماہ چلنے والی بنگلہ دیش کی جنگ آزادی میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد دس لاکھ سے زیادہ سمجھی جاتی ہے۔ اس میں پاکستانی ملٹری اور سپورٹ کرنے والی ملشیا کے ہاتھوں ہونے والی لاکھوں ہلاکتیں ہیں۔ بنگالی مسلح گروپس نے غیر بنگالی مہاجرین کا بڑی تعداد میں قتل عام کیا۔ بنگالیوں کے ہاتھوں مرنے والے بہاریوں کی تعداد کا ایک محتاط اندازہ ڈیڑھ لاکھ لگایا گیا ہے۔ غیر منظم مسلح گروپس ایک دوسرے سے بھی برسرِ پیکار رہے۔

مغربی پاکستان کے پریس اور ریڈیو نے اس پر پردہ ڈالنے کے لئے بڑے زور و شور سے مہم چلائی جو کامیاب نہیں رہی۔ ایک اخبار، مارنگ نیوز، میں ایک ادارے نے یہ تک لکھ دیا تھا کہ مشرقی پاکستان میں عسکری کارروائی ہندوؤں کی غلامی سے آزاد کروانے کے لئے کی جا رہی ہے۔ خانہ جنگی کی خبریں مکمل طور پر چھپائی گئیں۔ سنسر شدہ پریس میں ہونے والی کسی بھی خلاف ورزی سے سختی سے نمٹا گیا۔ مغربی پاکستان میں بہت کم لوگ اس بات سے واقف تھے کہ مشرقی حصے میں ایک بڑی جنگ جاری ہے۔

پاکستان آرمی کے خلاف لڑنے والے ملتی باہنی کے کمانڈر انچیف عوامی لیگ کی مرکزی قیادت کا حصہ تھے اور پاکستانی فوج میں کرنل کے عہدے تک پہنچے تھے۔ بونگوبیر (بنگلہ کاہیرو) کہلانے والے عطاء الغنی عثمانی دوسری جنگ عظیم میں برما کے محاذ پر لڑے۔ پاکستان آرمی میں بیس سال تک رہے۔ جی ایچ کیو میں آٹھ سال گزارے اور براہ راست یچی خان کے ماتحت ملٹری آپریشنز کے ڈپٹی ڈائریکٹر رہے۔ 1965 کی جنگ میں قصور کے محاذ پر رہے۔ انہوں نے کوئٹہ سے تربیتی کورس جنرل یچی خان، جنرل ٹکا خان اور جنرل اے کے نیازی کے ساتھ کیا تھا۔ 1971 میں یہ تینوں جنرل اپنے اس سابقہ ساتھی کے مقابلے پر تھے۔





Corpses scattered near a public field. Such scenes are common these days in Dhaka.—APF.

A family made shelter in a village in Shona. (Shona are 1001 etc on a road while the body of a child lies in front.

A scene of desolation in a village near Chittagong. Ships sinking in a cyclone and a boat blown away by the cyclone.—APF.

1.5 MILLION MAY HAVE PERISHED

World rushing to Pakistan's aid

Ahsan directing relief from offshore island

YESTERDAY WITNESSED THE START OF A MASSIVE NATIONAL AND INTERNATIONAL RELIEF OPERATION AS THE MAGNITUDE OF THE EAST PAKISTAN DISASTER CAUSED BY THE CYCLONE AND TIDAL WAVE, BAWNED UPON THE WORLD.

UN President Edward Heisler and Secretary-General U Thant, in a joint appeal called on all 121 members of the UN to rush aid and assistance to Pakistan. As he spoke, planes from Switzerland, Iran, UK, USA and West Germany carried relief materials for the stricken people.

Meanwhile, the East Pakistan Governor, Vice-Admiral K. M. Ahsan, took over direction of relief operations on the offshore islands of Shona and Halva, setting up his camp in Mowson Island yesterday. At the same time Pakistan Navy ships carrying medical teams, medicines, food and clothing, moved to the devastated areas.

Survivors tell grim stories of death, destruction

FROM BANGLADESH AGENT

CHITTAGONG, Nov 11: As gaps grew, the story of death and destruction continued to grow. By Thursday night's fall, figures up to 10,000 had been reported to have died. The report was not confirmed. But the fact that the tide waves appeared to have been seen by survivors, the fact that the waves were much more violent than anyone could imagine.

The fact about the death figures are difficult to verify. The only reliable one was the figure of 10,000. The fact that the waves were much more violent than anyone could imagine.

The fact about the death figures are difficult to verify. The only reliable one was the figure of 10,000. The fact that the waves were much more violent than anyone could imagine.

جنگ

مشرقی پاکستان میں 1970 میں اپوزیشن کی طاقتور تحریک ابھری۔ 1971 کی خانہ جنگی میں کئی سپرملٹری گروپ ایک دوسرے سے بھی لڑتے رہے اور دہشتگردی میں بھی ملوث رہے۔ اس میں دیہی علاقوں سے ماؤ اسٹ گروپ بھی تھے۔ ان نئی نئی ملیشیا میں سب سے طاقتور اور سب سے زیادہ اثر رکھنے والی عوامی لیگ کی تنظیم تھی۔ اس کو منظم کرنے والی کمیٹی کی سربراہی کرنل ایم اے جی عثمانی کر رہے تھے جو پاکستان آرمی کی ریٹائرڈ افسر تھے۔ یہ مجیب کی بنائی گئی سیکورٹی فورس تھی۔ جب سیاسی کشمکش گرم ہوئی تو عوامی لیگ کی اس فورس نے باقاعدہ فوج کا روپ دھار لیا۔

کرنل عثمانی نے تین ذرائع سے لوگ بھرتی کئے۔ ایسٹ پاکستان سٹوڈنٹس لیگ (یہ عوامی لیگ کی یوتھ برانچ تھی)۔ سیکورٹی ملیشیا جس کا نام ”انصار“ تھا اور تیسری فورس ”مجاہد“ جس میں وہ لوگ تھے جن کو برصغیر میں غنڈے کہا جاتا ہے۔ عثمانی کے گروپ کو سیوک باہنی کہا جاتا تھا۔ جب یہ وسیع ہوئی تو اس کا نام مکتی فوج ہو گیا اور پھر مکتی باہنی (آزادی کی فورس)۔ اس انڈر گراؤنڈ فورس کی موجودگی، جو عوامی لیگ کے کنٹرول میں ہو، مغربی پاکستان کے لیڈروں کو یہ قائل کرنے کے لئے کافی تھی کہ مجیب کا ارادہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا ہے۔

پاکستان کی مشرقی حصے میں مزاحمت کو کچلنے کا بڑا آپریشن 25 مارچ 1971 کو ڈھاکہ سے شروع ہوا۔ اگلے مہینے میں یہ پورے مشرقی پاکستان تک پھیل چکا تھا۔ ایسٹ پاکستان رائفلز، ایسٹ بنگال ریجیمینٹ اور ایسٹ پاکستان پولیس کا پاکستان آرمی کے خلاف باغیوں کے ساتھ لڑنا جنگ آزادی کے لئے اہم موڑ رہا۔ انہوں نے مغربی پاکستان کے افسروں کو پکڑا بھی تھا اور مارا بھی تھا۔ جنگ کے ابتدائی ہفتوں میں بنگالی یونٹس رفتہ رفتہ مکتی باہنی کے ساتھ جذب ہوتے گئے جس کی وجہ سے مکتی باہنی کو لیڈر شپ اور پرو فیشنل فوج کی تنظیمی بنیاد مل گئی۔ کرنل عثمانی مکتی باہنی کے کمانڈر انچیف باقاعدہ طور پر 14 اپریل کو بنادئے گئے۔ مکتی باہنی کے پاس اپنے عروج کے وقت ایک لاکھ لڑنے والے تھے جن کی وفاداری عوامی لیگ اور مجیب کے ساتھ تھی۔ مکتی باہنی کی ہائی کمان نے ملک کو آٹھ سیکٹرز میں تقسیم کیا۔ ہر ایک کی کمانڈ پاکستان آرمی سے آنے والے ایک میجر کے سپرد تھی۔

مارچ کے واقعات کے بعد انڈیا نے باواز بلند پاکستان کی مذمت شروع کی۔ اس جنگ کے نتیجے میں اندازے کے مطابق اسی لاکھ سے ایک کروڑ کے درمیان پناہ گزین انڈیا میں مغربی بنگال میں پہنچے۔ اپریل میں انڈین پارلیمنٹ نے قرارداد منظور کی جس میں اندرا گاندھی کو کہا گیا تھا کہ بنگلہ دیش کی حکومت کو تسلیم کیا جائے اور یہاں پر باغیوں کی مدد کی جائے۔ اندرا گاندھی نے اس وقت اسے الگ ملک تسلیم کرنے سے انکار کر دیا لیکن انڈیا ملکی باہنی کو بیس، تربیت اور ساز و سامان فراہم کر رہا تھا۔ سفارتی محاذ پر پاکستان کو دباؤ کا سامنا تھا۔

بنگلہ دیش کی جلاوطن حکومت اور اندرا گاندھی سفارتی محاذ پر متحرک رہے۔ سوویت یونین نے بنگلہ دیش کو اور انڈیا کو سپورٹ کیا۔ (اس کی وجہ سرد جنگ کی صف بندی تھی)۔ اعلان کیا کہ اگر امریکہ یا چین نے پاکستان کا ساتھ دینے کے لئے کوئی عملی قدم اٹھایا تو سوویت یونین جو اباً عملی اقدام لے گا۔ اپنی نیوکلیر آبدوز بھیجی تاکہ کسی بھی بیرونی مدد کو روکا جاسکے۔ سوویت فوج بنگلہ دیش میں 1975 تک رہی۔ سوویت ہلاک کے ممالک بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے والے پہلے ممالک میں سے تھے۔

قرار دیا۔ (اس کی وجہ بھی سرد ”امریکہ نے اس میں پاکستان کا ساتھ دیا۔ اس جنگ کو پاکستان کا“ اندرونی معاملہ جنگ کی صف بندی تھی)۔ ڈھاکہ میں امریکی قونصل خانے میں سفیر آرچر بلڈ نے امریکی پالیسی سے شدید اختلاف کرتے ہوئے سفارتی عملے کی طرف پیغام بھیج کر اس پالیسی پر کڑی تنقید کی اور اس حمایت کو شرمناک اور امریکہ کا اخلاقی دیوالیہ پن قرار دیا۔ قونصلیٹ کے بیس ممبران کے دستخط سے بھیجا گیا یہ ٹیلی گرام امریکی فارن سروس کی تاریخ کا سب سے سخت الفاظ میں لکھا گیا اختلاف کہا جاتا ہے۔ ”بلڈ ٹیلی گرام“ بھیجنے پر امریکی صدر نکسن نے آرچر بلڈ کو اس عہدے سے برخاست کر دیا گیا۔

سری لنکا نے اس جنگ میں پاکستان کی حمایت کی۔ انڈیا کی طرف سے فضائی حدود کی بندش کی وجہ سے پاکستانی طیارے کولمبو کے فضائی اڈے کو استعمال کرتے رہے۔

شاہ ایران سیاسی اور سفارتی لحاظ سے پاکستان کے ساتھ رہا۔ ایران کی طرف سے پاکستان کو جنگ کے لئے ایندھن

مفت سپلائی کیا گیا۔ اس کی ایک وجہ بلوچستان پر پاکستان اور ایران کا اتحاد تھا۔ ایران کو یہ خدشہ بھی تھا کہ اس جنگ کے نتیجے میں پاکستان پارہ پارہ ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں شاہ ایران نے ایرانی فوج کو بلوچستان میں فوج کشی کے لئے تیار رہنے کا کہا تھا۔

چین نے پاکستان کو سپورٹ کیا۔ انڈیا نے چین سے خطرہ محسوس کرتے ہوئے اس سرحد پر اپنے آٹھ ڈویژن لگا دئے تھے۔ چین آخری ممالک میں سے تھا جس نے بنگلہ دیش کو آزاد ملک تسلیم کیا۔ یہ 1975 میں کیا گیا تھا۔ لیبیا، سعودی عرب اور اردن نے مغربی پاکستان کے دفاع کے لئے عسکری امداد بھیجی۔

پاکستان آرمی کو شروع میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا لیکن مئی 1971 کے آخر تک پاکستانی فوج نے اتھارٹی قائم کر لی تھی اور باغی فورس کو بڑے حصے سے باہر دھکیل دیا تھا۔ پاکستانی فورسز کو مدد ایک اور نجی فورس سے ملی جو تھی۔ پاکستان فوج نے بنگالیوں کا قتل عام کیا تھا۔ بنگالیوں نے اردو بولنے والے بہار سے آئے ”رضاکار“ مہاجروں کا قتل عام کیا تھا۔ ”رضاکار“ میں زیادہ تر لوگ بہار سے تعلق رکھنے والے اردو بولنے والے تھے جو پاکستان فوج کا ساتھ دے رہے تھے۔ جولائی کے مون سون تک ملتی باہنی کی پیش قدمی روک دی گئی۔

پاکستان اور انڈیا کے درمیان پر اپگینڈہ جنگ چلتی رہی۔ یحییٰ خان نے دھمکی دی کہ اگر انڈیا نے پاکستان میں کسی جگہ پر بھی اپنی فوج استعمال کی تو اسے جنگ کا اعلان سمجھا جائے گا اور اس کا جواب پوری قوت سے دیا جائے گا۔ یحییٰ کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ اس صورت میں امریکہ اور چین اس جنگ میں پاکستان کا ساتھ دیں گے۔ پاکستان کو عوامی مخالفت کم کرنے میں کوئی کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے لئے پاکستان نے کئی اصلاحات کیں۔ ٹکا خان کو ہٹا دیا گیا۔ ان کے جنگی طریقوں نے بہت بھاری جانی نقصان کیا تھا۔ ان کی جگہ نخل مزاج لیفٹیننٹ جرنل اے اے کے نیازی کا تقرر کیا گیا۔ ایک متعادل بنگالی عبدالملک کو سولیلین گورنر بنادیا گیا۔ لیکن بہت دیر ہو چکی تھی۔ نہ ہی اس سے نتائج پر فرق پڑا اور نہ ہی عالمی رائے پر۔

مکتی باہنی ابتدائی مہینوں کی شکستوں کے بعد زیادہ تجربہ لے کر واپس آئی۔ ان کو افرادی قوت اکٹھی کرنے کا مسئلہ نہیں تھا۔ مقامی آبادی ان کے ساتھ لڑنے کو تیار تھی۔ مرنے والوں کو باسانی ری پلیس کر دیا جاتا تھا۔ انڈیانے امداد بڑھادی۔ جنگ کا ٹیمپو اکتوبر میں زیادہ تیز ہو گیا۔ پاکستان نے مزید فوج بھیج دی۔ اب پاکستان آرمی کی تعداد اسی ہزار سے تجاوز کر چکی تھی۔ انڈیا اور پاکستان آرمی کی سرحدی جھڑپوں میں تیزی آگئی۔

نومبر کے آخر میں انڈیا کی سرحدی دخل اندازی کا جواب دینے کے لئے پاکستان فضائیہ نے 3 دسمبر 1971 کو انڈیا کے اندر جا کر فضائی اڈوں پر سٹرائیک کرنے کی ایک سیریز شروع کر دی۔ انڈیا کی وزیراعظم اندرا گاندھی کو تین جگہ 1971 نے بڑے پیمانے پر فورسز کو حرکت میں آنے کا حکم جاری کر دیا۔ انڈین آرمی نے 4 دسمبر سے حملہ کیا۔ مغربی بنگال، آسام اور تری پورہ سے انڈین فوج داخل ہوئی۔ انڈیانے فضائی برتری چوبیس گھنٹے میں ہی حاصل کر لی۔ ایئر فیلڈ، تنصیبات، مواصلاتی مراکز اور فوجی اڈوں کو نشانہ بنایا گیا۔ انڈین نیوی فورس نے مشرقی پاکستان کی بندرگاہ کو بند کر دیا۔ برما سے رابطہ منقطع کر دیا۔ ساتھ ہی انڈیا کی ٹاسک فورس نے پاکستان کے بیڑے کو کراچی میں نشانہ بنایا اور بندرگاہ کی تنصیبات پر بمباری کی۔

زمینی جنگ میں مشرقی پاکستان کو پہلی ترجیح بنایا جبکہ مغربی پاکستان کی سرحد پر دفاعی حکمت عملی رکھی۔ نوڈویشن فوج سے مشرقی پاکستان پر حملہ کیا۔ پانچ کالز میں انڈیا کی فوج تیزی سے پیش قدمی کرتی گئی۔ درمیان کی شہر اور رکاوٹیں عبور کرتے ہوئے ڈھاکہ کی طرف بڑھتی گئی۔ اسی کے ساتھ مکتی باہنی کی گوریلا جنگ میں شدت آگئی۔ تین بریگیڈ روائتی جنگ میں انڈیا کے ساتھ مل گئے۔ اس پیش قدمی کی پاور اور رفتار سے مغلوب ہو کر پاکستان کے چار ڈویشن اور چھوٹے الگ یونٹس نے کئی سخت ایکشن کئے لیکن ان کے کہیں بھی جانے کے راستے مسدود تھے۔ فضائی سپورٹ حاصل نہیں تھی۔ پاکستانی آرمی جو کمزور پڑ چکی تھی اور رسد کی کمی کا شکار تھی، صرف بارہ روز میں شکست کھا گئی۔ مغربی ونگ میں بھی پاکستان انڈیا پر دباؤ نہیں ڈال سکا۔ 16 دسمبر کو لیفٹیننٹ جنرل اے اے کے نیازی نے 75000 فوجیوں سمیت جنرل اور ورا کے آگے ہتھیار ڈال دئے۔

آزادی سے ترقی تک

بنگلہ دیش کی آزادی کا اعلان چٹاگانگ کے ریڈیو پر 26 مارچ 1971 میں کیا گیا تھا۔ اس سے دو روز بعد یہ اعلان کیا گیا کہ میجر ضیاء نے نئی حکومت بنالی ہے جس میں صدر کا عہدہ ان کے پاس ہے۔ جلد بازی میں کی گئی یکطرفہ حرکت کی وجہ سے ان میں اور مجیب میں اختلاف پیدا ہوئے اور مجیب نے اس بات کو دل میں رکھا۔ بنگلہ دیش کی سیاست پر اس نے بعد میں دہائیوں تک اثر ڈالا۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ ان کا یہ ایکشن پسند نہیں کیا گیا، ضیاء اس سے پیچھے ہٹ گئے۔ اگلے مہینے عوامی لیگ کی میٹنگ کلکتہ میں ہوئی جس میں مشرقی پاکستان سے فرار ہونے والے راہنما شریک تھے۔ 17 اپریل کو ”مجیب نگر“ حکومت کا اعلان ہوا جس میں مجیب کو صدر بنادیا گیا۔ اس حکومت کو دنیا میں سب سے پہلے بھوٹان اور انڈیا نے 6 دسمبر کو تسلیم کیا۔ اس سے دس روز کے بعد جب پاکستانی فوج نے ہتھیار ڈال دئے تو یہ بنگلہ دیش حکومت پہلے سے موجود تھی، اگرچہ اس کے ممبران ڈھاکہ میں 22 دسمبر کو آئے۔ پاکستان نے انڈین آرمی کے آگے 16 دسمبر کو منعقد ہونے والی تقریب میں ہتھیار ڈالے۔ اس تقریب میں میں نہ ہی بنگلہ دیش آرمی اور نہ ہی ملتی باہتی کی طرف سے کسی نے شرکت کی۔ اس تقریب کو بنگلہ دیش میں فاتح کی طرف سے ذلت آمیز طرز عمل سمجھا گیا اور اس نے بنگلہ دیش اور انڈیا کے تعلقات خراب کرنے میں کردار ادا کیا۔

پاکستانیوں کو بنگلہ دیش نے رکھ لیا جن میں زیادہ تر فوج سے تعلق 195 پاکستان کے نوے ہزار جنگی قیدی بنے۔ رکھتے تھے۔ ان پر جنگی جرائم کے مقدمات چلانے کا ارادہ تھا (ایسا نہیں کیا گیا اور ان کو بعد میں واپس کر دیا گیا)۔ بنگلہ دیش کے 28000 ملٹری پرسنل پاکستان کے پاس تھے جو مغربی حصے میں رہ گئے تھے۔ بنگلہ دیش، انڈیا اور پاکستان کی حکومتوں نے مختلف معاہدوں کے تحت ان سب کو اگلے چار برسوں میں واپس کر دیا۔

جب بنگلہ دیش بنا تو مجیب جیل میں تھے۔ ان کو 25 مارچ کو گرفتار کیا گیا تھا۔ ان پر فوجی عدالت میں غداری کا مقدمہ چلایا گیا تھا اور سزائے موت سنائی گئی تھی لیکن اس پر عملدرآمد نہ کرنے کیلئے یجی حکومت سے کئی ممالک نے درخواست کی تھی۔ پاکستان کے ہتھیار ڈال دئے جانے اور جنگ بندی کے بعد یجی نے اقتدار چھوڑ دیا۔ مغربی پاکستان میں سویلین حکومت بھٹو کی سربراہی میں برسرِ اقتدار آگئی۔ اس حکومت نے مجیب کو رہا کر دیا اور ڈھاکہ جانے کی اجازت دے دی۔

جنوری 1972 کو ڈھاکہ پہنچے۔ ایک فقید المثال استقبال ان کا منتظر تھا۔ مجیب نے صدر کا عہدہ سنبھال لیا 10 مجیب اور دو سال بعد وزیر اعظم بنے۔ ملک کا آئین جلد بنایا گیا اور 4 نومبر 1972 کو منظور ہوا جس میں پارلیمانی طرز حکومت تھا۔ آئین میں وہ اصول تھے جن کی بنیاد پر بنگلہ دیش کی ریاست کو چلنا تھا۔ یہ مجیب ازم (مجیباد) کہلایا۔ اس کے چار ستون نیشنلزم، سوشلزم، سیکولرزم اور ڈیموکریسی تھے۔

آنے والے سالوں میں مجیب نے بنگلہ دیش میں اپنے کہے ہر اصول کو پامال کیا۔ آئین، آزادی اظہار، قانون کی حکمرانی، اختلاف کا حق، ملازمت کے مواقع میں برابری۔۔۔۔۔ مجیب کے بنگلہ دیش میں اس سب کی جلد ہی دھجیاں اڑادی گئیں۔

مجیب جس ملک واپس آئے تھے، وہ خانہ جنگی کے زخموں کا شکار تھا۔ جو کچھ ہوا تھا، وہ بیان سے باہر تھا۔ اس آبادی کی بحالی کے لئے ٹرانسپورٹ اور مواصلات کا نظام بھی درہم برہم ہو چکا تھا۔ امن و امان بکھر گیا تھا۔ گوریلا جنگ لڑنے والے گروہ اب مسلح تھے اور حکومت کے قابو میں نہیں تھے۔ کئی بنگلہ دیش کی آرمی میں آگئے لیکن کئی ایسے تھے جنہوں نے ہتھیار ڈال دینے کی اپیل سنی ان سنی کر دی۔ مسلح گروہوں نے اپنے علاقے بنائے۔ حکومت کو جمہوریت معطل کر دینا پڑی۔

جنہوں نے آزادی کے لئے جدوجہد کی تھی، مجیب نے اپنے ان ساتھیوں کو اہم عہدے فوج اور حکومت میں دئے۔ یہ کوتاہ نظر سوچ نئی قوم کے لئے بہت مضر ثابت ہوئی۔ پاکستان سول سروس سے آنے والوں کی مہارت سے یہ ملک محروم ہو گیا۔ وہ بنگالی جو مغربی پاکستان میں پھنسے رہ گئے تھے اور بنگلہ دیش بننے کے بعد پہنچے، ان سے تعصب برتا گیا۔ فوج میں ان کی ترقی روک دی گئی۔ اچھے عہدے نہیں دئے گئے۔ ”پاکستان سے آنے والے“ اور ”آزادی کے لئے لڑنے والے“ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ پاکستان سے آنے والے مجیب کے لئے زیادہ سپورٹ نہیں رکھتے تھے۔ ”وفاداری ادارے سے ہے، شخص سے نہیں“ کی روایت پر یقین رکھتے تھے لیکن نئے بنگلہ دیش میں یہ اصول نہیں تھا۔ مجیب نے ذاتی فورس نیشنل ڈیفنس فورس کے نام سے بنائی جس کے ممبران نے ذاتی وفاداری کا حلف اٹھایا۔

انڈیا اور سوویت یونین سے فیاضانہ بیرونی امداد ملنے کے باوجود خوراک کی قلت تھی۔ کرپشن اور چوربازاری عروج پر تھی۔ مجیب نے سمگلروں اور ذخیرہ اندوزوں کو وارننگ دی اور ان کے خلاف مہم اپنی ذاتی فورس کے ذریعے کی۔ قرابت داری اور کرپشن اس دور کا نشان بن گئے۔

اقتصادی پالیسیاں بھی غیر دانشمندانہ رہیں۔ تجارتی اور صنعتی ادارے قومیا لئے گئے جس نے بنگلہ دیش میں کاروبار کرنے کے رجحان کو ختم کر دیا۔ چونکہ بنگلہ دیش بننے کی وجہ زبان کی تحریک تھی۔ اس لئے بنگلہ زبان کو زبردستی نافذ کیا گیا۔ انگریزی کی جگہ اس کو تعلیم اور حکومت کی زبان بنانے کا مطلب یہ نکلا کہ بنگلہ دیش عالمی معیشت سے کٹ گیا۔

زیادہ تر بنگلہ دیشی اپنی قوم کے بانی (بنگلہ بندھو) مجیب کی عزت کرتے تھے۔ جب پہلے انتخابات 1973 میں ہوئے تو عوامی لیگ نے 289 میں سے 282 نشستیں حاصل کیں۔ انتخابات کی بعد حالات ابتر ہو گئے۔ بنگلہ دیشی عوام انڈیا کے ساتھ دوستی کے حق میں بھی نہیں تھے۔ سیلاب اور قحط مزید مشکلات پیدا کر رہے تھے۔ امن وامان بگڑ رہا تھا۔

جنوری 1975 میں آئین میں ترمیم کر کے مجیب نے خود کو صدر بنا کر تمام ایگزیکٹیو اختیارات لے لئے۔ تمام سیاسی جماعتیں ختم کر دی گئیں۔ بنگلہ دیش کو نون پارٹی سٹیٹ قرار دے دیا گیا۔ عوامی لیگ کا نام بدل کر بنگلہ دیش کرشک سرامک عوامی لیگ (مزدور کسان اور عوامی لیگ) کر دیا گیا۔ تمام سرکاری ملازمین کے لئے اس پارٹی کی ممبر شپ لازم قرار پائی۔ بنیادی حقوق معطل ہو گئے۔ بنگلہ دیش ذاتی ڈکٹیٹر شپ بن گیا۔

مجیب اور ان کے کچھ اہل خانہ کو 15 اگست 1975 کو آرمی کے کچھ نوجوان افسروں نے قتل کر دیا۔ (اس کو میجرز کی بغاوت کہا جاتا ہے)۔ کچھ کو فوج سے نکالے جانے کا ذاتی رنج تھا۔ لیکن یہ فوج کے بڑے حصے کے جذبات تھے جو مجیب کی ذاتی فورس سے اور سیاسی کرپشن سے نالاں تھے۔ اس وقت تک مجیب کی مقبولیت گر چکی تھی اور حیرت انگیز طور پر اس پر عوامی ردِ عمل بہت زیادہ نہیں آیا۔

مجیب کے قتل کئے جانے کے اگلے روز ہی پاکستان نے بنگلہ دیش کو آزاد ملک تسلیم کرنے کا اعلان کر دیا۔ پاکستان کے صدر ذوالفقار علی بھٹو نے تسلیم کئے جانے اور دوستی کا ہاتھ بڑھانے کے لئے پچاس ہزار ٹن چاول اور کپڑوں کا تحفہ بنگلہ دیش بھیجا۔ نئے آنے والوں نے مجیب کے حامیوں سے بدلہ لیا۔ مجیب کے وفاداروں کو ملک چھوڑ کر بھاگنا

پڑا۔ ملک میں مارشل لاء لگ گیا۔

ملک میں اگلا تختہ اسی برس 3 نومبر کو بریگیڈیئر خالد مشرف نے الٹا۔ ایک چیف جسٹس کو صدر بنادیا۔ خود کو جنرل بنالیا۔ مجیب سے وفادار خالد مشرف جلوس لے کر مجیب کے گھر تک گئے۔ اس سے اگلا تختہ چار روز بعد ہی 7 نومبر کو الٹا دیا گیا جب لیفٹ ونگ لیکن اینٹی سوویت اور اینٹی انڈیا پارٹی سے تعلق رکھنے والے فوجیوں نے ڈھاکہ کینٹ میں حملہ کر کے خالد مشرف کو مار دیا۔ صدر چیف مارشل لاء ایڈمسٹریٹرن گئے۔ بنگلہ دیش کی آزادی کا اعلان کرنے والے ضیا الرحمن ان کے نائب بن گئے۔ ضیا الرحمن اس کے ساتھ ہی وزیر خزانہ، وزیر صنعت، وزیر انفارمیشن، وزیر داخلہ اور آرمی چیف آف سٹاف بھی بن گئے۔

ضیا نے نومبر 1976 میں خود چیف مارشل لاء ایڈمسٹریٹرن کا عہدہ خود سنبھال لیا۔ صدارتی انتخاب منسوخ کیا۔ ریفرنڈم کروایا جس میں 98.9 فیصد ووٹ حق میں لئے۔

اگرچہ ضیا کو ایک بے رحم لیڈر سمجھا جاتا ہے لیکن عام رائے یہ ہے کہ ان کی تاریخ کے سب سے بہترین لیڈر رہے امید کی سیاست ”کی بنیاد“ ہیں۔ بہت محنتی اور ملک بھر میں لوگوں سے براہ راست رابطہ کرنے والے جنہوں نے ڈالی۔ مصالحانہ پالیسیاں اپنائیں۔ قربت داری کو ختم کیا۔ ملک کی پیداوار اور معیشت بہتر ہوئی۔ ملک کی سمت ”مجیب ازم“ سے تبدیل کی۔ انڈیا پر انحصار ختم کیا۔ سارک کی تنظیم بنانا ان کا آئیڈیا تھا۔ ملک میں بغاوتیں جاری رہیں۔ بوگرہ میں اور پھر ڈھاکہ میں بغاوت ہوئی جس میں ان پر حملہ کیا گیا جو ناکام رہا۔ اس کے نتیجے میں فوج میں بڑی تبدیلیاں کی گئیں۔ دوسو فوجی افسران کو سزائے موت دی۔ سینئر افسران کو برطرف کیا۔ اپنی پارٹی بنگلہ دیش نیشنلسٹ پارٹی بنائی۔ انتخابات 1979 میں کروائے۔ ان انتخابات میں بنگلہ دیش کی آرمی کے دو سابق سربراہوں کی قیادت میں قائم سیاسی جماعتوں کا آئنا سا منہ تھا۔ ضیا نے اس میں ملتی باہنی کے لیڈر کرنل عثمانی کی پارٹی کو شکست دی۔

ضیا الرحمن کو 30 مئی 1981 میں قتل کیا گیا۔ جس کا الزام میجر جنرل منظور پر لگا۔ اس بغاوت کو میجر جنرل ارشد نے کچل دیا اور جنرل منظور کو مار دیا گیا۔ بہت سے فوجی افسران کو سزائے موت ملی۔ چھ ماہ میں انتخابات کا

وعدہ تھا۔ خیال تھا کہ اس بار مقابلہ ضیا کی بیوہ خالدہ ضیا اور مجیب کی بیٹی حسینہ واجد کے درمیان ہو گا لیکن لیکن ملک میں جلد ہی جنرل ارشد نے مارشل لاء لگا کر اقتدار سنبھال لیا اور 1990 تک صدر رہے۔

خالدہ ضیا، حسینہ واجد اور جماعت اسلامی کے مارشل لاء کے خلاف تحریک چلانے پر اور شدید ہنگاموں کے سبب انہیں اقتدار چھوڑنا پڑا۔ ان کے ہٹنے کی وجہ فوج کی حمایت سے محروم ہو جانا تھا۔ اقتدار سے ہٹتے ہی یہ سیدھے کرپشن کے الزامات میں جیل گئے۔ کرپشن کے دو الزامات ثابت ہونے پر سات سال جیل میں رہے۔ جیل سے ہی انتخابات میں حصہ لیا۔ 1991 اور 1996 میں پانچ حلقوں پر لڑے اور سب پر کامیاب ہوئے۔ بغیر قتل کئے اقتدار سے نکالے جانے والے یہ بنگلہ دیش کے پہلے حکمران تھے۔ یہ بنگلہ دیش کے لئے اہم پیشرفت تھی۔

بنگلہ دیش میں انتخابات کے نتیجے میں 1991 میں خالدہ ضیا وزیراعظم بنیں۔ اس سے اگلا دور بنگلہ دیش کی سیاست میں ”لڑتی بیگمات“ کا غلبہ رہا۔ خالدہ ضیا دس سال اور حسینہ واجد پندرہ سال وزیراعظم رہیں۔ ہر انتخابات میں دھاندلی کے الزامات لگتے رہے، بائیکاٹ ہوتے رہے۔ ہڑتالیں چلتی رہیں۔ سیاستدان گرفتار ہوتے رہے۔ فوج اور عدالتوں کی مداخلت رہی۔ ملک میں ایمر جنسی لگی۔ بحران آتے رہے۔ کرپشن سراٹھاتی رہی۔ ملک نے برما سے اہم علاقہ حاصل کیا۔ روہنگیا کے پناہ گزینوں کا بڑے بحران کا سامنا کیا۔

ضیاء الرحمن کی اہلیہ اور دس سال وزیراعظم رہنے والی خالدہ ضیا اس وقت کرپشن کے کیس میں جیل میں ہیں۔ ان پر دوسرے کیسز میں غلط دن سا لگرہ منانے کا کیس بھی ہے جو وہ ہار گئیں اور اب ان پر پابندی ہے کہ سا لگرہ اسی دن منائیں جو ان کے پاسپورٹ پر لکھی گئی ہے۔ اس کے علاوہ آگ لگانے، ملک کے جھنڈے کی بے حرمتی کرنے، قرضہ معاف کروانے، بم دھماکہ کروانے، آگ لگانے، غداری جیسے بتیس دوسرے کیس چل رہے ہیں۔ 2018 کے انتخابات میں ان کو نااہل قرار دے دیا گیا اور کاغذات مسترد کر دیئے گئے۔ پارٹی قیادت ان کے بیٹے کے پاس آئی۔ سابق جنرل اور طویل عرصے تک مارشل لاء لگانے والے جاتیا پارٹی کے سربراہ جنرل ارشد پوزیشن لیڈ رہے۔

ملک کی وزیراعظم بچھلے دس برس سے حسینہ واجد ہیں۔ بنگلہ بندھو کی بیٹی ہونا ان کے لئے سیاسی طور پر فائدہ مند رہا۔ البتہ، سیاست کے حوالے سے ان کی پالیسیاں والد سے بالکل مختلف ہیں۔ کئی سال جلاوطنی میں کاٹے۔ دھاندلی، کرپشن، رشوت ستانی کے الزامات لگتے رہے رہیں۔ قتل کے الزام میں ایک بار ناقابل ضمانت وارنٹ جاری ہوئے۔ ان وقت ان پر تنقید کی جارہی ہے کہ وہ ملک کو شخصی آمریت کی طرف لے جا رہی ہیں۔

بنگلہ دیش کا شمار اس وقت دنیا میں ترقی کرنے والے تیز ترین ممالک میں ہے۔ ساتھ لگی تصویر ڈھاکہ کا رات کو 2018 کا منظر۔

